مطالعۂ قرآن حکیم کا

(درسی) منتخب نصاب

نکات برائے درس و تدریس

حصّہ پنجم

مؤلف

حافظ انجینیر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

شعبہ مطبوعات
انجمن خدام القرآن سندھ کراچی رجسٹرڈ

مرحوم ومغفور مؤسس انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی دیرینہ خواہش اور عمل کے عین مطابق، انجمن ہذا اپنی تمام تصنیفات، تالیفات اور خطابات (آڈیوز/ وڈیوز) کو طبع اور تیار کر کے چاہے قیمتاً یا مفت تقسیم کرنے کی مکمل اجازت دیتی ہے، اس ضمن میں ہمارا "محفوظ حقوق" کا کوئی تقاضا بھی نہیں۔ البتہ اجراء کنندہ ان تمام مواد کے نسخے/ نقل، اجراء سے قبل انجمن کو تحریری اطلاع کے ساتھ بھیجنے کا پابند ہوگا اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ یہ تبدیلی یعنی الفاظ، غلط اقتباس، سیاق وسباق سے الگ کر کے جملے کا حوالہ یا اس کا ایسا استعمال جس سے انجمن ہذا اور اس کے مؤلفین کی صحیح ترجمانی نہ ہوتی ہو اور اس سے ہماری عزت وشہرت پر حرف آئے، تو ہم اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتے ہیں۔

نام کتاب	:	منتخب نصاب (درسی) حصہ پنجم
مؤلف	:	حافظ انجینیر نوید احمد ؒ
ناشر	:	مطبوعات، انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی مرکزی دفتر: B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی فون: 7-34993436-21-92+
ای میل	:	Publications@QuranAcademy.com
ویب سائٹ	:	www.QuranAcademy.com
طبع 01 تا 07	:	5350
طبع 08	:	جمادی الاوّل 1444ھ نومبر 2022ء
تعداد	:	1100
قیمت	:	520/=

ملک بھر میں قرآن اکیڈمیز و مراکز

Karachi:
Quran Academy Defence 021-35340022-4
Quran Academy Yaseenabad 021-36337361 - 36806561
Quran Academy Korangi 021-35074664
Quran Institute Gulistan-e-Johar 021-34030119

Hyderabad:
Quran Academy Qasimabad 022-2106187
Quran Institute latifabad 022-3860489

Sukkur:
Quran Markaz Sukkur 071-5807281

Quetta:
Quran Academy Quetta 081-2842969

Jhang:
Quran Academy Jhang 047-7630861 - 7630863

Faisalabad:
Quran Academy Faisalabad 041-2437618

Lahore:
Quran Academy Lahore 042-35869501-3

Multan:
Quran Academy Multan 061-6510451 - 6520451

Islamabad:
Quran Academy Islamabad 051-2605725

Gujranwala:
Quran Markaz Gujranwala 055-3891695 - 0334-4600937

Peshawar:
Quran Markaz Peshawar 091-2584824 - 2019541

Malakand:
Quran Markaz Temargara 0945-601337

Azad Kashmir:
Quran Markaz Muzaffarabad 0982-2447221

انتساب

اُن باہمت حضرات وخواتین کے نام

جو الفاظِ قرآنی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (یونس 58:10)

پر یقین کی عملی مثال قائم کرتے ہوئے اور حدیثِ نبوی ﷺ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری)

کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا کی عارضی لذتوں کے مقابلے میں

آخرت کی ابدی کامیابی کے حصول کے لیے

اپنی بہترین صلاحیتیں

قرآنِ کریم کے سیکھنے اور سکھانے کے لیے

وقف کر دیں۔

فہرست

1	منتخب نصاب حصّہ پنجم تعارف	5
2	حقیقتِ صبر	6
3	درسِ اوّل: سورۃ العنکبوت 29 آیات 1تا13	24
4	درسِ دوم: سورۃ العنکبوت 29 رکوع 5تا7	46
5	درسِ سوم: سورۃ الکہف 18 آیات 27تا29	60
6	درسِ چہارم: سورۃ البقرۃ 2 آیات 153تا157	80
7	درسِ پنجم: غزوۂ بدر نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز	101
8	درسِ ششم: غزوۂ اُحد- عارضی شکست اور شدید آزمائش	121
9	درسِ ہفتم: غزوۂ احزاب- آزمائش وامتحان کا نقطۂ عروج	144
10	درسِ ہشتم: صلح حدیبیہ- فتح ونصرت کا آغاز	163
11	درسِ نہم: فتح مکہ- جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ دینِ حق کی تکمیل	184
12	درسِ دہم: غزوۂ تبوک- دعوتِ اسلام کے بین الاقوامی دور کا آغاز	208

حوالہ جات

- "مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب" کتابی صورت میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن اور ترجمہ موجود ہے۔
- "مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب (مفصّل)" دو جلدوں میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن، ترجمہ اور تشریح موجود ہے۔
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے مختصر لیکن جامع دروس پر مشتمل الہدیٰ سیریز کے 44 لیکچرز پر مشتمل MP3 سی ڈی۔
- منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 12 ویڈیو DVDs / 2 آڈیو MP3 سی ڈیز

منتخب نصاب حصّہ پنجم

تعارف

منتخب نصاب حصہ پنجم کا موضوع ہے صبر و مصابرت۔ صبر و ثبات، ہمت و جرأت اور پامردی و استقلال کی کامل ترین مثال تھے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔ لہٰذا منتخب نصاب حصہ پنجم کے اسباق، دورِ نبوی ﷺ میں پیش آنے والے صبر کے مختلف مواقع سے ایک تدریج کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔

منتخب نصاب حصہ پنجم کی ابتداء حقیقتِ صبر کے موضوع پر ایک مضمون سے ہوتی ہے اور اُس کے بعد دس اسباق اِس حصہ میں شامل ہیں۔

پہلا درس سورۃ العنکبوت[29] کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔ اِس رکوع میں اہلِ ایمان کو اُن حالات میں صبر و ثبات کی تلقین کی گئی جبکہ وہ کفار کی طرف سے بہیمانہ تشدد پر گھبرا گئے تھے۔

دوسرا درس سورۃ العنکبوت[29] کے آخری تین رکوعوں میں سے اُن ہدایات کے بیان پر مشتمل ہے جو اُن حالات سے متعلق ہیں جب اہلِ ایمان پر ظلم و ستم اپنی آخری حدوں کو پہنچ رہا ہو۔

تیسرا درس سورۃ الکھف[18] کی آیات 27 تا 29 پر مشتمل ہے جس میں اُس صورتِ حال میں صبر اور استقامت کی تلقین ہے جب باطل یہ محسوس کر چکا ہو کہ وہ اہلِ حق کو تشدد یا لالچ کے ذریعہ جادۂ حق سے نہیں ہٹا سکتا، لہٰذا وہ اہلِ حق کو سودے بازی کے جال میں جکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

چوتھا درس سورۃ البقرۃ[2] کی آیات 153 تا 157 پر مشتمل ہے جس میں مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد قتال کے کٹھن مراحل میں صبر و ثبات کے حوالے سے اہم ہدایات دی گئی ہیں۔

پانچویں درس سے لے کر دسویں درس میں بالترتیب غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ احزاب، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر پیش آنے والی آزمائشوں پر صبر کے مراحل کا بیان ہے۔

حقیقتِ صبر

موضوع کی اہمیت:

انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اِسے اللہ کی محبت و قربت اور آخرت میں جنت کی عظیم نعمت حاصل ہو جائے۔ اِس کامیابی کے حصول کا ذریعہ ہے صبر۔ اِس حوالے سے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات قابلِ ذکر ہیں:

1. صبر اللہ کے محبوب بندوں کی صفت ہے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ (آل عمران 3: 17)

"یہ وہ لوگ ہیں جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور اوقاتِ سحر میں گناہوں پر بخشش مانگنے والے ہیں"۔

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ (الحج 22: 34، 35)

"اور (اے نبی ﷺ) خوشخبری سنا دیجیے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز جاتے ہیں اور (جب) اُن پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اُس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں"۔

2. اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ (آلِ عمران 3: 146)

"اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے جنگ کی ہے تو جو مصیبتیں اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اُن کے سبب اُنہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ

بزدلی دکھائی، نہ (کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں سے محبت کرتا ہے"۔

3. اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾
(البقرة[2] : 249)

"بارہاایساہوا ہے کہ چھوٹی جماعت غالب آگئی بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ (الانفال[8] : 66)

"پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

4. صبر دنیا میں اہل باطل سے حفاظت کا ذریعہ ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾
(آلِ عمران[3] : 120)

"اور اگر تم صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تو اُن کی سازشیں تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی اور اللہ اُن کی حرکتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

5. راہِ حق میں مومنوں کو صبر کے امتحان سے گزرنا پڑے گا:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾
(آلِ عمران[3] : 186)

"(مومنو!) مال و جان میں تمہاری آزمائش ہو کے رہے گی اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین سے بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی اور اگر تم صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی

سے بچو تو یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ (محمد 47 : 31)

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم تمہارے حالات جانچ کر رہیں گے"۔

6. صبر کرنے والوں کو اللہ بغیر حساب اجر عطا فرمائے گا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ (الزمر 39 : 10)

"بے شک صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بغیر حساب کے ملے گا"۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (النحل 16 : 96)

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم اُن کو ضرور اُن کے بہترین اعمال کی مناسبت سے بدلہ دیں گے"۔

7. جنت صبر ہی کا بدلہ ہے:

رمضان المبارک کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ [1]

"اور وہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر ہی ہے جس کا بدلہ جنت ہے"۔

قرآنِ حکیم میں اللہ نے مومنوں کو خبردار فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ (آلِ عمران 3 : 142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بغیر آزمائش کے) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

---

(1) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب فضائل شهر رمضان، باب أظلكم شهر عظيم، شهر مبارك، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کافروں سے فرمائیں گے کہ وہ لوگ جن کا تم دنیا میں مذاق اڑاتے رہے، جن کی عملی جدوجہد میں تم رکاوٹ بنتے رہے، جنہیں کمزور دیکھ کر تم نے دبائے رکھا اور وہ کمالِ ہمت و بردباری سے صبر کا دامن تھامے رہے، دیکھو آج اِس صبر کی بدولت میں انہیں کیسا بدلہ دے رہا ہوں، کیا اعلیٰ مقامات انہیں حاصل ہو رہے ہیں! الفاظِ قرآنی ہیں:

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (المؤمنون[23] : 111)

"آج میں نے اُنہیں بدلہ دے دیا جو اُنہوں نے صبر کیا تھا، بلاشبہ وہی منزلِ مراد کو پہنچنے والے ہیں"۔

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِیْرًا ﴿۱۲﴾ (الدھر[76] : 12)

"اور وہ (اللہ) اُن کے صبر کے بدلے اُنہیں دے گا جنت اور ریشم (کا لباس)"۔

فرشتے اہلِ جنت سے کہیں گے:

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ (الرعد[13] : 24)

"تم پر سلام ہو اِس صبر کی وجہ سے جو تم نے کیا، پس عمدہ ہے عاقبت کا گھر"۔

مفہوم:

لفظ صبر کا مادہ ہے ص ب ر۔ باب ضَرَبَ سے، اِس کے لغوی معنی ہیں جھیلنا، برداشت کرنا یا خود کو روکنا۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل[16] : 126)

"اور اگر تم اُن سے بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی لو جتنی تکلیف تمہیں اُن سے پہنچی اور اگر برداشت کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے"۔

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الکھف[18] : 28)

"اور (اے نبی ﷺ) اپنے آپ کو روکے رکھیے اُن کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں"۔

اصطلاحی طور پر صبر کے معنی ہیں ناخوشگوار حالات میں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا، مخالف قوتوں سے الجھنا اور اپنے موقف و مشن سے پیچھے نہ ہٹنا۔ قرآنِ حکیم میں ذکر ہے کہ حضرت طالوت کے مٹھی بھر ساتھیوں نے تعداد میں جالوت کے کئی گنا بڑے لشکر سے مقابلہ کے وقت یوں دعا کی:

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۵۰﴾

(البقرة 2: 250)

"اے ہمارے رب ہمیں بھرپور استقامت عطا فرما اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما"۔

؎ الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے کشاکشِ خس و دریا ہے دیدنی کوثر

صبر کی اقسام:

صبر کی دو اقسام ہیں یعنی حادثات پر صبر کرنا اور کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا۔

1. حادثات پر صبر:

حادثات کے حوالے سے ہدایتِ ربانی ہے:

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ

(التغابن 63: 11)

"کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُس کے دل کو ہدایت دیتا ہے"۔

بندۂ مومن حادثات کو منجانب اللہ اور ذریعۂ آزمائش سمجھتا ہے اور پھر اللہ سے اجر کی امید پر فوری صبر کرتا ہے۔ اِسے صبر جمیل کہا جاتا ہے۔ ویسے صبر تو ہر انسان کو کرنا پڑتا ہے کیوں کہ مرثیوں، ماتم، نالہ و فریاد، بال نوچنے، گریبان پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے سے حادثات کی تلافی نہیں ہوجاتی لیکن یہ سب کرنے کے بعد کا صبر، انسان کو اجر سے محروم کردیتا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ صبر جمیل کیا جائے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي قَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي، وَلَمْ تَعْرِفْهُ، فَقِيلَ لَهَا: إِنَّهُ النَّبِيُّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُوْلَى (1)

"نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر پر رو رہی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، عورت نے کہا کہ دور ہو جا، تجھے وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے اور نہ تو اس مصیبت کو جانتا ہے، اس نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اس سے کہا گیا تو وہ نبی ﷺ کے دروازے کے پاس آئی اور وہاں دربان نہ پائے اور عرض کیا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ صبر ابتداءِ صدمہ کے وقت ہوتا ہے"۔

2. کسی مقصد کی خاطر صبر کرنا:

مقصد مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی، البتہ ہر مقصد کے حصول کے لیے صبر و استقامت ناگزیر ہے۔ مثبت مقصد کے لیے بھی صبر کی دو صورتیں ہیں:

i. اعمالِ صالحہ کے لیے صبر کرنا: نیکی پر کاربند رہنے یا گناہ سے بچنے کے لیے انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے روزانہ اپنی نیند کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اِسی طرح اگر انسان ضرورت مند ہو اور اُس کے لیے حرام کمائی کا حصول ممکن ہو تو خود کو اِس سے روکنا بغیر صبر کے ممکن نہیں۔ صبر ہی کے ذریعہ انسان ایمان پر کاربند رہتا ہے اور عمل صالح کے بنیادی تقاضے پورے کرتا ہے۔ پھر اپنے جذبات کو تھامنا بھی صبر ہی سے ممکن ہوتا ہے اور خواہشات کی لگامیں بھی صبر ہی کے ذریعے کھینچی جا سکتی ہیں۔ سورۃ النازعات[79] آیت 40-41 میں فرمایا گیا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۴۱﴾

"اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی کے احساس سے ڈرتا رہا اور اُس نے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکے رکھا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانہ ہے"۔

(1) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ

اِس آیت میں صبر ہی کا بیان ہے جس کے ذریعہ خواہشات کو دبانا، شہوات کو لگام دینا اور مرغوباتِ نفس کے حصول کے لیے طبیعت میں جو طوفان بپا ہے اُس کو روک کر رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ اِس کے بعد انسان ایمان پر گامزن رہ سکتا ہے اور عملِ صالح کے مدارج و مراتب طے کر سکتا ہے۔

ii. **تواصی بالحق کے لیے صبر کرنا:** کسی بھی انسان کو حق کی تبلیغ کے مشن سے ہٹانے کے لیے اس پر طنز و تشدد بھی کیا جاتا ہے، لالچ بھی دی جاتی ہے اور سودے بازی کی پیشکش بھی کی جاتی ہے۔ صبر یہ ہے کہ اپنی منزل اور اپنے ہدف کے تعین کے بعد انسان پوری ثابت قدمی سے اِس کی طرف پیش قدمی جاری رکھے۔ کوئی مخالفت، کوئی رکاوٹ، کوئی تشدد، اُسے اپنے مقصد اور اپنی منزلِ مقصود کی جانب پیش قدمی سے روک نہ سکے، کوئی طمع، کوئی لالچ، یا کسی اعتبار سے مرغوباتِ نفس کی کوئی کشش اُس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے اور نہ ہی سودے بازی کی کوئی پیشکش اُسے باطل کے ساتھ سمجھوتے پر آمادہ کر سکے۔ تواصی بالحق کو جاری رکھنے کے لیے ان تینوں صورتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے۔

اِس حوالے سے نبی اکرم ﷺ صبر و ثبات کی کامل مثال ہیں۔ مکی دور کے ابتدائی چھ سالوں میں آپ ﷺ پر طنز و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ ﷺ اپنے مشن پر ڈٹے رہے۔ پھر آپ ﷺ کو دولت، بادشاہت اور مکہ کی خوبصورت ترین خاتون سے شادی کی پیشکش کی گئی لیکن آپ ﷺ کسی فتنہ سے مرعوب نہ ہوئے۔ مکی دور کے آخر میں آپ ﷺ کو سودے بازی کی پیشکش کی گئی لیکن آپ ﷺ نے اِس پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں سورۃ آلِ عمران[3] کی آخری آیت کی تشریح میں صبر کی صورتیں بڑی وضاحت سے بیان کی ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بیان، راہِ حق کی جدوجہد کے عملی تجربات کا عکاس ہے:

> "دعوتِ اسلامی اور راہِ حق میں ہر ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہوتا اور ہر ہر مرحلے پر مصائب منتظر ہوتے ہیں۔ اِس لیے صبر اس راہ کا بہترین زادِ راہ ہے۔ نفس کی

خواہشوں اور رغبتوں پر صبر، اُس کی طمع اور لالچ پر صبر، اُس کے ضعف اور کمزوری پر صبر اور اُس کی جلد بازی پر صبر اور لوگوں کی جہالتوں پر صبر، اُن کے غلط تصورات پر صبر، اُن کی کج فطرتی پر صبر، اُن کی کج باطنی پر صبر، اُن کی کج فہمی پر صبر، اُن کے غرور اور اُن کے حق سے گریز پر مبنی حیلے اور بہانوں پر صبر، باطل کے پھلنے پھولنے، سرکشی کے سر اٹھانے اور شر کے طاقتور ہونے پر صبر، بے یار و مددگار ہونے، راہ کے طویل اور پُر صعوبت ہونے پر صبر، تنگی اور تکلیف میں آنے والے شیطانی وساوس پر صبر، رنج و غم، غصہ و طیش اور بے اعتمادی اور نااُمیدی جیسے نفسیاتی امراض پر صبر، قدرت، نصرت، غلبہ، سہولت اور آسانی کے موقع پر ضبط نفس پر صبر اور اِس موقع پر شکرِ الٰہی بجالانا ہر تنگی اور فراخی میں اللہ کی رضا مد نظر رکھنا اور ہر معاملے میں اُسی پر توکل کرنا اور اُسی سے ڈرنا اور اُسی کا تقویٰ اختیار کرنا۔ اِن تمام اُمور پر صبر اور اُن تمام اُمور پر صبر جو سالکِ یعنی راہِ حق کے مسافر کی راہ میں پیش آئیں اور جن کا کوئی احاطہ نہیں ہو سکتا اور نہ اِن تجربات کو اور اِن کی تلخیوں کو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے، بلکہ راہِ حق کا راہی خود ہی اِس لذت کو محسوس کر سکتا ہے اور جان سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جن مؤمنینِ اوّلین کو مخاطب کیا گیا ہے وہ پوری طرح اِس لفظ صبر کے مفہوم کو سمجھ رہے تھے کیوں کہ وہ عملاً اور بالفعل اِن حالات سے گزر رہے تھے"۔

گذشتہ اسباق میں صبر کا ذکر:

منتخب نصاب کے گذشتہ اسباق میں صبر کا ذکر پانچ مرتبہ آیا ہے:

1. سورۃ العصر[103] میں صبر کو نجاتِ اخروی کی لازمی شرط اور صراطِ مستقیم کا آخری سنگِ میل قرار دیا گیا:

وَ الْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

"قسم ہے تیزی سے گزرتے ہوئے زمانے کی بے شک تمام انسان واقعی خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے اور باہم مل کر حق کی تاکید کی اور باہم مل کر صبر کی تلقین کی"۔

2. سورۃ البقرۃ[2] آیت 177 میں صبر کو نیکی اور تقویٰ کا نقطۂ عروج (climax) قرار دیا گیا:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

"(نیک لوگ بالخصوص) صبر کرنے والے ہوتے ہیں سختیوں میں اور تکالیف میں اور لڑائی کے وقت"۔

3. سورۃ لقمان[31] آیت 17 میں اِس مسلمہ حقیقت کی طرف رہنمائی کی گئی کہ "اَلْحَقُّ مُرٌّ" (سچ کڑوا ہوتا ہے)۔ سچائی عام طور پر قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِس کی تبلیغ کے ردِّ عمل میں تکالیف آئیں گی، اُن کو برداشت کرنے کے لیے صبر کا بھرپور مادّہ ہونا چاہیے۔ پہلے سے تیار ہو جاؤ کہ یہ راستہ پُر خار ہے، اِس میں مخالفتوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں، یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو حکم دیتے ہیں:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷

"اے میرے بیٹے! قائم کر نماز اور حکم دے نیکی کا اور روک برائی سے اور صبر کر اُس پر جو تجھ پر بیتے بے شک یہ ہے ہمت کے کاموں میں سے"۔

4. سورۃ حٰم السجدۃ[41] آیت 35 میں صبر کی چوٹی یہ بتائی گئی کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ البتہ آگاہ کر دیا گیا کہ:

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵

"اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جنہوں نے صبر کیا اور نہیں ملتی یہ سعادت مگر اُن کو جو بڑے نصیب والے ہیں"۔

5. سورۃ الفرقان[25] آیت 75 میں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ قرآن کا انسانِ مطلوب بننے کے لیے درکار اعلیٰ صفات کا حصول بغیر صبر کے ممکن نہیں۔ لہٰذا ایسے انسانوں کے لیے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا

"یہ ہیں وہ لوگ جن کو جنت کے بالا خانے عطا کیے جائیں گے اُس صبر کی وجہ سے جو اُنہوں نے کیا"۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں صبر کا ذکر اِس طور سے کیا گیا ہے کہ سلوکِ قرآنی میں صبر بنیادی اور لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم کا ہر ہر مرحلہ صبر ہی کے ذریعے طے پاتا ہے۔ اس پورے عمل کے روحِ رواں، اِس کے لیے جذبۂ محرکہ اور اِس کی شرطِ ناگزیر کے طور پر صبر ہی کا ذکر ہوتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں نبی اکرم ﷺ کو صبر کی تلقین:

قرآنِ حکیم کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں صبر کے حکم کے مخاطبِ اوّل نبی کریم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ پر جب وحی کا نزول شروع ہوا تو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے پہلے حکم کے ساتھ ہی صبر کی ہدایت بھی نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (المدثر[74]: 1-7)

"اے لحاف میں لپٹنے والے (ﷺ)، کھڑے ہو جایئے اور خبردار کیجیے اور اپنے رب کی بڑائی قائم کیجیے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور ہر نجاست سے دُور رہیے اور (اِس نیت سے) احسان نہ کیجیے کہ اِس سے زیادہ کے طالب ہوں اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے"۔

ان آیات میں آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا گیا کہ جس راہ پر آپ ﷺ نے قدم رکھا ہے، صبر اِس کا لازمی تقاضا ہے۔ اب جھیلنا ہو گا، برداشت کرنا ہو گا اور تحمل کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ مصائب، تکالیف اور آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہو گا۔ چنانچہ کئی مکی سورتوں میں آپ ﷺ کے لیے صبر کا ذکر کہیں حکم کے انداز میں اور کہیں تلقین و ہدایت کے پیرائے میں آیا ہے۔

- جب نبی اکرم ﷺ نے دعوت کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلا ردِّ عمل جو اُس معاشرے کی جانب سے ظاہر ہوا وہ تمسخر و استہزاء کی صورت میں تھا۔ کسی نے آپ ﷺ کو پاگل کہا (الحجر[15] :6)، کسی نے شاعر ہونے کا بہتان لگایا (الطور[52] :30)، کسی نے سحر زدہ ہونے کا طعنہ دیا (الفرقان[25] : 8) اور سب سے بڑی گستاخی یہ کی گئی کہ آپ ﷺ کو جادو گر اور بہت بڑا جھوٹا قرار دیا گیا "نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ":

وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ (ص[38] : 4)

"اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادو گر ہے بہت بڑا جھوٹا"۔

اِن سب باتوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے، جھیلنے اور برداشت کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ (المزمل[73] : 10)

"اور (اے نبی ﷺ) صبر کیجیے اُن (کڑوی) باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور اِن سے علیحد گی اختیار کیجیے بڑی خوبصورتی کے ساتھ"۔

- اِس کے بعد جب کفار نے تمسخر و استہزاء سے بڑھ کر آپ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشوں کا آغاز کیا تو اللہ نے آپ ﷺ کو تلقین فرمائی:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (النحل[16] : 127-128)

"اور (اے نبی ﷺ) صبر کیجیے اور آپ کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اُن کے بارے میں غم نہ کیجیے اور اُن کی سازشوں کی وجہ سے تنگدل نہ ہو جایئے۔ بے شک اللہ ساتھی ہے پرہیز گاروں اور نیکو کاروں کا"۔

- جب کفار کی مخالفت نے تشدد کی صورت اختیار کر لی تو آپ ﷺ کو تسلی دی گئی:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا (الانعام[6] : 34)

"اور آپ ﷺ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جاتے رہے پھر وہ (رسول) جھٹلانے اور ایذا رسانی پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آ پہنچی"۔

- کفار کی ضد جب مزید بڑھتی چلی گئی اور عذاب کی وعید سے ڈرنے کے بجائے جب وہ فوری عذاب کا مطالبہ کرنے لگے تو آپ ﷺ کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہونے لگا اور آپ ﷺ بھی خواہش کرنے لگے کہ اب اِنہیں اپنے سیاہ اعمال کی سزا مل ہی جانی چاہیے۔ ایسے میں اللہ نے فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (الاحقاف[46] : 35)

"اور (اے نبی ﷺ) صبر کیجیے جیسے کہ ہمارے صاحبِ عزیمت رسول صبر کرتے رہے ہیں اور اِن کے بارے میں جلدی نہ کیجیے"۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝ (المعارج[70] : 5)

"پس (اے نبی ﷺ) صبر کیجیے خوبصورتی کے ساتھ!"

- مکی دور کے آخر میں کفار آپ ﷺ کو سودے بازی کی پیشکش کرتے رہے تاکہ آپ ﷺ اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کرلیں لیکن آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۝ (الدھر[76] : 24)

"پس (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور اِن گناہوں میں ڈوبے ہوئے منکر لوگوں کی باتوں میں نہ آیئے"۔

- مکی دور کے آخر میں جب قریش کی ہٹ دھرمی اور ضد اپنی آخری حدوں کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نبی کریم ﷺ بھی کفار کی حق دشمنی سے بیزار اور ہجرت کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ ایسے میں اللہ نے آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (القلم[68] : 48)

"(اے نبی ﷺ) اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کے مانند نہ ہو جایئے"۔

قرآنِ حکیم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبر کی تلقین:

- مکی دور کے وسط میں جب کفار زبانی استہزاء سے بڑھ کر مار پیٹ اور تشدد پر اتر آئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو ہدایت دی گئی کہ ہر طرح کی مخالفت کو بغیر کسی ردِّ عمل کے برداشت کیا جائے لیکن اپنے موقف پر ڈٹ کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا جائے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (النساء[4] : 77)

"کیا تم نے نہیں دیکھا اُن کو جن سے کہا گیا اپنے ہاتھ بندھے رکھو"۔

- اِس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف صبر ہی کی نہیں بلکہ در گزر کرنے کی تلقین کی گئی:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ[42] : 43)

"اور یقیناً جس نے صبر کیا اور در گزر کر دیا تو بلا شبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

- اس کے بعد انتہائی مشکل ہدایت دی گئی کہ مخالفت کے جواب میں صرف خاموش ہی نہیں رہنا بلکہ برائی کا جواب حُسنِ سلوک سے دینا ہے:

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد[13] :22)

"اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے عاقبت کا گھر ہے"۔

حبشہ سے مکہ آنے والے چند نو مسلم اہلِ کتاب کی تحسین کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (القصص[28] : 54)

"اُن لوگوں کو دگنا بدلا دیا جائے گا کیونکہ اُنہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

- ہجرتِ مدینہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ شاید اب مشکلات ختم ہو گئیں کیونکہ مدینہ میں اوس اور خزرج کی اکثریت مسلمان ہو چکی ہے اور یہاں مشرکینِ مکہ جیسے مخالفین موجود

نہیں۔ ایسے میں اللہ نے فرمایا کہ اب تو امتحانات و آزمائش کا نیا مرحلہ شروع ہو گا اور اب تو جنگ کرنے کا حکم دیا جائے گا لہٰذا جانوں کے نذرانے اللہ کی راہ میں پیش کرنے ہوں گے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ۭ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرۃ[2]: 155-153)

"اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال، جانوں اور میووں کے نقصان سے اور (اے نبی ﷺ) بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو"۔

- پھر جب جنگ کا مرحلہ شروع ہو گیا تو اللہ کی طرف سے حکم آیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانفال[8]: 45 46)

"مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ فلاح حاصل کر سکو اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

محض صبر نہیں، مصابرت درکار ہے:

صبر کی تلقین کے حوالے سے سورۃ آلِ عمران[3] کی آخری آیت بڑی اہمیت کی حامل ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! صبر کی روش اختیار کرو اور صبر کے معاملے میں (اپنے مخالفین پر) بازی لے جاؤ اور باہم متحد رہو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

- اِس آیت کے ابتدائی حصّے میں صبر کے حوالے سے مسلمانوں کو دو حکم دیے جا رہے ہیں۔ ایک ہے "اِصْبِرُوْا" یعنی صبر کرو اور دوسرا ہے "صَابِرُوْا" یعنی صبر میں کفار کا مقابلہ کرو۔ دوسرا حکم "بابِ مفاعلہ" سے ہے جس کا مصدر ہے "مصابرۃ"۔ صبر ایک یک طرفہ عمل ہے جبکہ مصابرت میں مخالف فریق کے ساتھ کشمکش پائی جاتی ہے۔ ایک بندۂ مؤمن جس ماحول میں ایمان اور عملِ صالح کی منزلیں طے کرتا ہے وہاں کوئی خلا نہیں ہوتا۔ اگر اِس کا ایک مخصوص نظریہ ہے تو اِسی معاشرے میں اور بھی نظریات کارفرما ہیں۔ یہ دنیا مختلف نظریات کی ایک آماج گاہ ہے، یہاں تو کشاکش (struggle) ہو کر رہے گی۔ اِسی لیے اِس آیت میں "صبر" کے ساتھ مصابرت کا بھی ذکر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہلِ کفر اپنے نظریات کے دفاع میں صبر کر رہے ہیں اور اِن نظریات کی خاطر جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ اے اہلِ ایمان! تمہیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے صبر کرنا ہے اور جان و مال نچھاور کرنے میں اُن سے بازی لے جانا ہے۔ جب تک تم اُنہیں اِس مقابلۂ صبر میں نیچا نہ دکھاؤ گے، آگے نہ بڑھ سکو گے۔ اگر تم نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور " لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" کا معاملہ صرف اِسی صورت میں ممکن ہے۔
- ہونا تو یہ چاہیے کہ دین کے مخالفین کے ساتھ تصادم، کشمکش اور ٹکراؤ میں ہمارا صبر اُن کے صبر پر سبقت لے جائے اور ہمارا ایثار و قربانی دشمنوں سے بڑھ جائے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر ایثار و قربانی پر اللہ کے ہاں اجر ملے گا جبکہ کفار کو ایسی کوئی امید نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء[4] : 104)

"اور کفار کا تعاقب کرنے میں سستی نہ کرو۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کفار کو بھی اُسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے اور تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے"۔

صبر کرنے والوں کے لیے اعلیٰ ترین اعزاز:

سورۃ السجدۃ[32] آیت 24 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

"اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے جو رہنمائی کرتے تھے (لوگوں کی) ہمارے حکم کے مطابق، (انہیں منصبِ امامت اُس وقت دیا گیا) جب اُنہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے"۔

- اس آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک بہت بڑے اعزاز یعنی اُسے منصبِ امامت عطا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ منصبِ امامت پر جس خوش نصیب کو فائز کیا جاتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ دین کا علم اور فہم عطا فرماتے ہیں۔ ایسے صاحبِ علم کی فضیلت قرآنِ حکیم میں اس طرح بیان ہوئی:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر[39] : 9)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟"

حدیثِ مبارکہ ہے:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ [1]

"جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے"۔

اب لوگ اِس صاحبِ علم کی طرف رہنمائی کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ ایسے شخص کے ذریعہ جتنے لوگ راہِ ہدایت پاتے ہیں اُن سب کی نیکیوں کا اجر اِسے ملتا ہے اور اِس طرح وہ صدقۂ جاریہ کا ایک خزانہ اپنے لیے فراہم کرتا ہے۔ پھر اِس کی خوش نصیبی کا اندازہ اِس حدیث کی روشنی میں لگائیے:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ [2]

(۱) صحیح البخاری، کتاب الْعِلْم باب مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ

(۲) سنن الترمذی، کتاب الْعِلْمِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ، عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رضی اللہ عنہ

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ پر۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتے اور آسمانوں وزمینوں والے، یہاں تک کہ بلوں میں چیونٹیاں اور حتیٰ کہ مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لیے دُعائے خیر کرتی ہیں"۔

- منصبِ امامت پر فائز ہونے کی سعادت اُن لوگوں کو ملتی ہے جو:

i- صبر کرتے ہیں ii- اللہ کی آیات پر یقین رکھتے ہیں

i. اِس آیت میں صبر سے مراد ہے صبر عن الدنیا۔ ایک باصلاحیت آدمی ہی میں امام بننے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اب اگر وہ دنیا کے لیے وقت لگائے گا تو اپنی صلاحیت کی وجہ سے دنیا میں بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر وہ لذاتِ دنیا کو قربان کر دے، اختیاری فقر اپنا لے اور ایک مشن کے تحت دین کی خدمت میں لگ جائے تو اللہ اِس قناعت اور فقر کا اجر یہ دیتے ہیں کہ اُسے دنیا میں منصبِ امامت پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہ مقام اُسی کو ملتا ہے جس کے نزدیک دنیا کی آسائشوں کی قدر مچھر کے پر سے بھی کم ہوتی ہے۔ اُسے یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ اُس کے ساتھی دنیا میں اُس سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ اُسے اِس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (آخرت کی نعمتیں بہتر اور دائمی ہیں)۔ یہ یقین اُس کی بات میں اثر پیدا کرتا ہے۔

ii. اللہ کی آیات پر یقین رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خدمتِ قرآن کو اعلیٰ ترین career اور اپنے لیے سب سے عظیم سرمایہ سمجھتے ہیں۔ سورۃ یونس[10] آیت 58 میں عظمتِ قرآن اِس طرح بیان کی گئی کہ:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوا) ہے تو چاہیے کہ لوگ اِس پر خوشیاں منائیں، یہ اُس (مال و اسباب) سے کہیں بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں"۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ [1]

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"۔

جس نے دنیا کے اعلیٰ careers کو قربان کرکے خدمتِ قرآن کو اپنا مشن بنالیا اور وہ اِس خدمت کو اپنے لیے متاعِ بے بہا سمجھتا ہے، اُس کے لیے اقبال کے یہ اشعار کتنے برمحل ہیں:

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر! اِسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلہ میں لٹا دے اِسے لٹا دے! ٹھکانے لگا دے اِسے

(1) صحیح البخاری، کتاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، باب خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ... عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

درسِ اوّل:

سورۃ العنکبوت 29 آیات 1-13

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۚ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ

اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ

لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨ وَ مِنَ النَّاسِ

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ

نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَ

لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ

لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ اوّل سورۃ العنکبوت[29] کے پہلے رکوع یعنی آیات 1 تا 13 پر مشتمل ہے۔

2. سورۃ العنکبوت[29] کا زمانۂ نزول سن ۵ نبوی ﷺ ہے۔اِس زمانے میں سردارانِ قریش کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا بازار بھرپور طریقہ سے گرم تھا۔ مکی دور کے ابتدائی تین برسوں میں دشمنانِ اسلام کی مخالفت زبانی کلامی تھی اور اُنہوں نے اپنے تمسخر و استہزاء کا ہدف نبی اکرم ﷺ کی ذات کو بنائے رکھا تاکہ آپ ﷺ کا حوصلہ پست ہو جائے، آپ ﷺ کی کمر ہمت ٹوٹ جائے اور آپ ﷺ اپنے مشن کو ترک کر دیں۔ آپ ﷺ صبر و استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ ثابت قدمی سے اور انفرادی رابطوں کے ذریعہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔اِس کے نتیجہ میں نوجوانوں اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ نبوت کے چوتھے برس آپ ﷺ نے علی الاعلان دین کی دعوت دینا شروع کی تو کفار نے محسوس کیا کہ یہ دعوت تو ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کر گئی ہے، "نظامِ کہنہ کے پاسبانو، یہ معرضِ انقلاب میں ہے"۔ تب اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سوچنے لگے کہ جسے ہم مشتِ غبار سمجھے تھے وہ تو ایک ایسی تیز آندھی بن رہی ہے جو ہمارے اس نظام اور مفادات (vested interests) کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر منتشر کر دے گی۔ یہیں سے وہ دور شروع ہوا جسے سیرت کی کتابوں میں "تَعْذِيْبُ الْمُسْلِمِيْنَ" یعنی مسلمانوں کی ایذا رسانی اور بہیمانہ تشدد (persecution) کا دور کہا جاتا ہے۔ کفار کی طرف سے جب مسلمانوں پر شدید جسمانی تشدد کیا جانے لگا تو بعض مسلمانوں کو کچھ گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ العنکبوت[29] کی صورت میں ایک بھرپور خطاب نازل ہوا۔

3. سورۃ العنکبوت[29] کفار کی طرف سے بہیمانہ تشدد کے پس منظر میں نازل ہوئی۔ دو طبقات اِس ظلم و ستم کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ ایک نوجوان جن پر نہ صرف تشدد کیا گیا بلکہ اِنہیں گھروں سے نکال بھی دیا گیا۔ دوسرے غلام جن کا نہ کوئی پُرسانِ حال تھا اور نہ ہی کوئی حقوق۔ وہ اپنے آقاؤں کی ایسی ملکیت تھے جیسے بھیڑ اور بکری کہ جب چاہا ذبح کر دیا اور جو چاہا اُن کے

ساتھ سلوک کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اُمیہ بن خلف تیز دھوپ میں تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر اوندھے منہ لٹا کر گھسیٹتا تھا۔ آلِ یاسر رضی اللہ عنہم پر ابو جہل نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت آلِ یاسر رضی اللہ عنہم پر ابو جہل دست درازیاں کرتا اور اُنہیں تشدد کا نشانہ بناتا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی چیخ و پکار سن کر بے قرار ہو جاتے اور فرماتے:

صَبْرًا يَا آلَ يَاسِرَ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ [1]

"اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو، بے شک تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے"۔

بالآخر ابو جہل نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلیہ حضرتِ سمیہ رضی اللہ عنہا کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت کے لیے دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھا دیے جاتے اور پھر اُن کو ننگی پیٹھ اِن پر لٹا دیا جاتا۔ کمر کی کھال جلتی، چربی پگھلتی اور اِس سے بتدریج وہ انگارے سرد ہوتے۔ یہ تھا وہ اذیت ناک سلوک جو اِن غلاموں اور بے یار و مددگار لوگوں کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ تشدد کا یہ سلسلہ مسلسل تین چار سال تک اپنے پورے نقطۂ عروج پر رہا۔ ظلم و ستم کے جس پس منظر میں یہ سورۃ نازل ہوئی اُس کا احساس حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حسبِ ذیل روایت سے ہوتا ہے:

أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا: أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلَا تَدْعُو اللهَ لَنَا ... فَجَلَسَ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ فَقَالَ: قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ يُؤْتَى بِالْمِنْشَارِ فَيُجْعَلُ عَلَى رَأْسِهِ، فَيُجْعَلُ فِرْقَتَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عَظْمِهِ مِنْ لَحْمٍ وَعَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللهِ لَيُتِمَّنَّ اللهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَحَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ تَعَالٰى، وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَلٰكِنَّكُمْ تَعْجَلُونَ [2]

"(جب مصائب ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئے تو) ایک روز ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت کعبے کے سائے میں اپنی چادر کا ایک تکیہ

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب ذکر مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، عَن ابن اسحاق، المعجم الکبیر للطبرانی، باب د، رقم ۲۰۲۲۵

(۲) سنن أبی داود، کتاب الجهاد، باب فی الأسیر یکره علی الکفر، عَن خَبَّاب بن الارت رضی اللہ عنہ

سا بنائے ہوئے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے جا کر شکوہ کیا: "کیا آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے مدد نہ مانگیں گے اور دعا نہ کریں گے؟" اس پر نبی ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے ایک شخص کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور اُس کے سر پر آرہ چلا کر اُس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے لیکن یہ عمل اُسے راہِ حق سے ہٹا نہ سکتا تھا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیوں سے کسی کی ہڈیوں پر سے گوشت کھرچ ڈالا جاتا لیکن دین سے اُسے دور نہ کیا جاسکتا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس کام (غلبۂ اسلام) کو لازماً پورا کرے گا یہاں تک کہ ایک شخص صَنعاء سے حضرموت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو گا جس کا وہ خوف کرے اگر اس کو کوئی ڈر ہو گا تو صرف بھیڑیے کا ہو گا اپنی بکریوں پر لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو"۔

4. قرآن حکیم کا اسلوب خطیبانہ ہے اور ہر سورۃ اللہ کا ایک خطبہ ہے۔ خطیبانہ اسلوب کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے کہ:
   I. ابتدائی اور آخری حصہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔
   II. تحویل خطاب ہوتا ہے یعنی مخاطبین بدلتے رہتے ہیں اور کبھی حاضر کو غائب یا کبھی غائب کو حاضر تصور کر کے گفتگو کی جاتی ہے۔
   III. سوالات و اعتراضات کو بیان کیے بغیر اس انداز میں جواب دیا جاتا ہے کہ سننے والا سوالات و اعتراضات کو خود ہی سمجھ لیتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں امور سورۃ العنکبوت[29] کے پہلے رکوع میں نمایاں ہیں۔ یہ سورۃ کا ابتدائی حصہ ہے اور اہم ہدایات پر مشتمل ہے، خطاب کا رُخ بیک وقت مسلمانوں کی طرف بھی ہے اور کفار کی طرف بھی اور تشدد کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں جو سوالیہ کیفیات پیدا ہو رہی تھیں یا انہیں جو عملی مشکلات پیش آ رہی تھیں، اُن کا ازالہ بھی ان آیات میں موجود ہے۔

5. تربیت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ محبت و دلجوئی کا انداز بھی اختیار کیا جائے اور سختی بھی برتی جائے۔ اِس مقام پر ہمیں اِن دونوں پہلوؤں کا امتزاج نظر آتا ہے۔ انسانوں کے حقیقی مربی اللہ کی طرف سے ایک طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کٹھن حالات میں پُرہمت اور ثابت قدم رہنے

کے لیے حوصلہ افزائی بھی کی جارہی ہے اور دوسری طرف بے صبری پر متنبہ بھی کیا جارہا ہے۔ البتہ تربیت کے عمل کے دوران ڈانٹ اور سختی بھی محبت آمیز، پُرشفقت اور انسان کے لیے خیر کا باعث ہوتی ہے۔

آیات پر غور وفکر

آیت 1:

الٓمّٓ ⓵

یہ آیت حروفِ مقطعات پر مشتمل ہے۔ ان حروف کے حتمی اور یقینی معنی کوئی نہیں جانتا۔ اِن کے مفہوم کے تعیّن میں اہلِ علم نے اپنے غور وفکر سے بہت سی آراء پیش کی ہیں لیکن حق بات یہی ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ ہی اِن کے اصل مفہوم سے واقف ہیں۔

آیت 2:

اَحَسِبَ النَّاسُ... کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا... اَنْ يُّتْرَكُوْٓا... کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے... اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا... محض اِس لیے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے... وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ⓶... اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔

- کفار کی طرف سے جب ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو اہلِ ایمان کی طرف سے کچھ بے صبری کا اظہار ہوا۔ اُس پر اِس آیت میں بڑے سخت انداز سے جھنجھوڑا گیا۔ فرمایا گیا کہ لوگوں نے کیا سمجھا تھا، محض زبان سے کلمہ کے دو بول ادا کر کے جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ حاصل ہو جائے گا۔ کیا اُن کی جانچ پرکھ نہیں ہوگی؟ کیا اُنہیں ٹھوک بجا کر نہیں دیکھا جائے گا کہ واقعی ایمان اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے یا یہ صرف زبانی دعویٰ تک محدود ہے؟ بلاشبہ جنت کے حصول کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ یہ وہ راستہ ہے جس میں آزمائشوں کی خاردار جھاڑیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

جنت کا حصول کس قدر دشوار ہے اِس کا اندازہ درج ذیل ارشادِ نبوی ﷺ سے ہوتا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ[1]

"جنت کو مشکلات سے گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشاتِ نفسانی سے"۔

- یہاں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب کی بجائے اُن سے گفتگو صیغہ غائب میں ہو رہی ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ "اے مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھا تھا۔۔۔ "بلکہ فرمایا" کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا۔۔۔" یہ اجنبیت اور غیریت کا انداز ہے جو انتہائی ناراضگی کو واضح کرنے کے لیے بڑا ہی لطیف پیرایہ ہے۔ اِس حوالے سے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور آج کے مسلمان کی سوچ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو دعوتِ ایمان شعوری طور پر قبول کی تھی۔ اُن کا ایمان لانا ایک انقلابی قدم تھا کیونکہ اِس کے لیے انہوں نے اپنے آبائی عقائد کو چھوڑا تھا اور گویا ایک طرح کا مجاہدہ اور ایثار کیا تھا۔ دوسری طرف ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہماری اکثریت بس ایک متوارث مذہبی عقیدے کی بنیاد پر مسلمان، یقینِ قلبی کی دولت سے محروم اور عملی اعتبار سے دینی تعلیمات سے کوسوں دُور ہے۔ اِس کے باوجود ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں اور جنت ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ:

جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اَے پیکرِ گِل، کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

- اِس آیت کے آخر میں فتنے کا لفظ آیا ہے۔ اِس سے پہلے یہ لفظ سورۃ التغابن[64] میں آچکا ہے یعنی إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔۔۔ بے شک تمہارے مال اور اولاد تو فتنہ یعنی ذریعۂ آزمائش ہیں۔ فتنہ عربی میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر سونے کو رگڑ کر دیکھا جاتا ہے کہ یہ خالص ہے یا اِس میں کھوٹ شامل ہے۔ اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب در حقیقت کسوٹی کے درجہ میں ہیں جن پر پرکھ کر کسی کے ایمان کی صداقت کو جانچا جاتا ہے۔

(1) صحیح مسلم ،کتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، صحیح البخاری ،کتاب الرِّقَاقِ،باب حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

آیت 3:

وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . . . اور ہم اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں . . . فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا . . . پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو . . . وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ۝ . . . اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔

- اِس آیت میں اللہ کی ایک مستقل سنّت کا بیان ہے۔ اللہ کا ہمیشہ سے یہ ضابطہ رہا ہے کہ جو بھی ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اللہ اُسے امتحانات اور آزمائشوں کے ذریعہ جانچتا ہے تاکہ کھرے کو کھوٹے سے اور سچے کو جھوٹے سے ممتاز کر دیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ

(آلِ عمران[3]: 179)

"اللہ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اُسی حال پر رہنے دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ (آزمائش کے ذریعہ) جدا کر دے گا پاکیزہ لوگوں کو ناپاک لوگوں سے"۔

- فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا کا لفظی ترجمہ تو ہو گا "پھر اللہ جان کر رہے گا سچوں کو"۔ لیکن چونکہ علمِ الٰہی قدیم ہے، اللہ کو کسی چیز کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہر شے کا علم اُسے از خود اور پہلے سے حاصل ہے، لہٰذا یہاں اِس سے مراد ہو گی کہ "اللہ ظاہر کر دے گا سچوں کو"۔
- اِس آیت میں عربی زبان کے اعتبار سے انتہائی تاکیدی اسلوب آیا ہے۔ عربی زبان میں فعلِ مضارع سے قبل لامِ مفتوح اور اِس کے آخر میں نونِ مشدد ہو تو اِس سے بڑھ کر تاکید کا کوئی اسلوب نہیں۔ "لَیَعْلَمَنَّ" کا مفہوم ہو گا کہ اللہ ضرور واضح کرے گا یا لازماً کھول کر رکھ دے گا کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے ہیں۔
- یہ بات ضروری ہے کہ ہم پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں کہ اللہ کے نزدیک ایک سچا اور راست باز انسان وہ ہے جس کا ذکر منتخب نصاب میں پہلے آیۂ بِرّ کے اختتام پر ہوا اور پھر حصر کے اسلوب میں سورۃ الحجرات[49] کی آیت 15 میں اِس طرح ہوا کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝

"مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں"۔

- سورۃ العنکبوت[29] کی آیت 3 کا یہ مضمون قرآنِ مجید میں ایک سے زائد مقامات پر اسی شان اور اسی گھن گرج کے ساتھ آیا ہے:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرۃ[2] : 214)

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ ان پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور ان کے ساتھی اہل ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَ یَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾ (آلِ عمران[3] : 142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَ لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَ لَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَةً (التوبۃ[9] : 16)

"کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا"۔

وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِیۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ وَ نَبۡلُوَا۠ اَخۡبَارَكُمۡ ﴿۳۱﴾ (محمد[47] : 31)

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر

کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات"۔

- اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی حکمت یہ ہے کہ انقلابی جدوجہد کے لیے کام کرنے والی جماعت کو تطہیر کے عمل سے گزارا جائے۔ غلبۂ دین کی جدوجہد بڑے کٹھن مراحل سے گزرتی ہے اور کچے اور ناپختہ لوگوں پر انحصار اِس کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ تطہیر کے عمل سے ناپختہ عناصر چھٹ جاتے ہیں اور صرف پختہ کار سرفروش ساتھ رہ جاتے ہیں جو کٹھن مراحل میں تن من دھن نثار کر کے اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہ کر تحریک کو کامیابی سے آگے بڑھاتے ہیں۔

آیت 4:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ... کیا اُن لوگوں نے جو برائیاں (ظلم و ستم) کر رہے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے... اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ... کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے... سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝... بُری رائے ہے جو وہ قائم کر رہے ہیں۔

- اِس آیت میں اُن کفار و مشرکین کی طرف روئے سخن ہے جن کے ہاتھوں مسلمانوں کو ایذائیں پہنچ رہی تھیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے والوں کی رسی دراز کی جارہی ہے تاکہ وہ اپنا خبثِ باطن ظاہر کرلیں اور اپنی تمام حسرتیں پوری کرلیں۔ عنقریب اللہ اِن ظالموں کی پکڑ فرمائے گا اور اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (ھود[11] : 102) "بے شک اُس کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے"۔
- اِس آیت میں بظاہر خطاب کا رُخ کفار کی طرف ہے لیکن دراصل اِس کا مقصد مسلمانوں کی تسلّی و دلجوئی ہے۔ جن مسلمانوں کو ستایا جارہا تھا، اُن کے زخمی دلوں پر ہمدردی کا پھایا رکھا جارہا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہیں ایذائیں دینے والے مشرکین ہماری گرفت سے بچ نکلیں گے۔ یہ تو ہماری حکمت ہے کہ ہم نے اُن کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ تمہیں آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزار کر کندن بنایا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے تو بڑے مغالطہ میں ہیں۔ تم مطمئن رہو، اُن میں سے ہر ایک کو اپنے کیے کی بھرپور سزا مل کر رہے گی۔

ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے
اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے

آیت 5:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ . . . جو کوئی اللہ سے ملاقات کا اُمیدوار ہے . . . فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ . . . تو بے شک اللہ کا معین کردہ وقت آکر رہے گا . . . وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ . . . وہ تو سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

- اِس آیت میں بھی مسلمانوں سے شفقت و ہمدردی کا اظہار ہے۔ مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم یہ سب تکالیف اِس لیے جھیل رہے ہو تا کہ جب تمہاری اللہ سے، جو کہ تمہارا مطلوب و مقصود ہے، ملاقات ہو تو تم سرخرو ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دل میں وسوسہ ڈال دے کہ کیا خبر ملاقات کا وقت آئے گا بھی کہ نہیں! مطمئن رہو اللہ کا وہ مقرر کیا ہوا وقت آکر رہے گا۔ اِس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کسی وسوسے کو ذہن کے قریب مت پھٹکنے دو، تمہارا اجر محفوظ ہے۔
- وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ کے الفاظ میں مظلومین کے لیے تسلی ہے کہ اُن کا معبود، جس کے لیے زخم کھائے جارہے ہیں، کوئی بے خبر ہستی نہیں ہے۔ "مر گئے ہم اُنہیں خبر نہ ہوئی" والا معاملہ نہیں بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے علم اور اُس کی نگاہوں میں ہے۔ مظلومین کے دلوں سے نکلنے والی آہیں اللہ کے علم میں ہیں اور اُن کی زبان سے بلند ہونے والی چیخیں بھی اللہ سن رہا ہے۔ پتھروں پر گھسٹتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلنے والا کلمہ توحید اَحد، اَحد اللہ سن رہا ہے اور پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی زبان اور دھوپ کی تمازت سے لبوں پر آئی ہوئی جان بھی اللہ دیکھ رہا ہے۔

آیت 6:

وَمَنْ جَاهَدَ . . . اور جو کوئی جہاد کرتا ہے . . . فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ . . . پس وہ تو جہاد کرتا ہے اپنے ہی لیے . . . اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ . . . بے شک اللہ کو تمام جہان والوں سے کوئی احتیاج نہیں۔

- اِس آیت میں سختی کا رنگ نمایاں ہے۔ دوٹوک انداز میں فرمایا گیا کہ یہ خیال ہرگز دل میں نہ آئے کہ جو کوئی جہاد کر رہا ہے وہ اللہ پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ اِس جدوجہد اور ایثار و قربانی کا تمام تر فائدہ خود تم ہی کو پہنچے گا۔ اِس کے ذریعہ سے تمہاری سیرت سنورے گی، تمہارا

کردار پختہ ہو گا، تمہارے ایمان و عمل کو جِلا حاصل ہو گی اور آخرت میں تمہیں اللہ کی رحمت کا سایہ اور جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔ فارسی کا بہت ہی عمدہ شعر ہے:

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

"بادشاہ کی خدمت کا تمہیں اگر کوئی موقع ملا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اُس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع دیا ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ جسے بھی اللہ نے اپنے دین کی خدمت کی توفیق دی ہے اُسے اللہ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اُس نے اِسے اپنی راہ میں قبول فرمالیا ہے۔

- اِس آیت میں "جہاد" کا لفظ خصوصی طور پر توجہ کے لائق ہے۔ جہاد کے حوالہ سے ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ اِسے صرف قتال کے معنی میں لے لیا جاتا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ بالاتفاق مکی ہے اور ہجرتِ حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ اِس کا زمانۂ نزول سن پانچ یا چھ نبوی ہے۔ یہاں جہاد کی اصطلاح قتال فی سبیل اللہ کے مفہوم میں نہیں ہو سکتی کیونکہ قتال کے مرحلہ کا آغاز تو مدنی دور میں ہوا۔ یہ سورۃ اُس وقت نازل ہوئی جب مسلمان صبرِ محض (Passive Resistance) کے مرحلہ میں تھے اور اُن کو حکم تھا کہ ماریں کھاؤ، سختیاں برداشت کرو لیکن مدافعت میں ہاتھ اٹھائے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ جدوجہد کی اِس صورت کو یہاں جہاد کہا گیا۔

آیت 7:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... وہ لوگ جو ایمان لائے ... وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ... اور جنہوں نے نیک عمل کیے ... لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ... ہم لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دیں گے... وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ... اور ہم لازماً اُن کے اعمال کا بہترین بدلہ اُنہیں عطا کریں گے۔

- اِس آیت میں ایک بار پھر اہلِ ایمان کو اطمینانِ قلب کے لیے بڑے تاکیدی اسلوب میں ایک عظیم بشارت کی نوید دی جارہی ہے۔ فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کا حق ادا کریں گے، نہ صرف اُن کی برائیاں معاف کر دی جائیں گی بلکہ اُن کے اعمال کا بہترین بدلہ اُنہیں

دیا جائے گا۔ آیت کے آخری حصہ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہیں اُن کے بہترین اعمال کی مناسبت سے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے بعض اعمال رخصت کی سطح پر انجام دیتا ہے اور بعض میں عزیمت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں خوشخبری دی گئی کہ روزِ قیامت اُن اعمال کے مطابق اجر دیا جائے گا جن میں عزیمت کا مظاہرہ کیا گیا۔

- اس آیت میں عملِ صالح کے مفہوم پر بھی غور کرنا چاہیے۔ اِس آیت کے نزول کے وقت نہ ابھی پنج وقتہ نماز فرض ہوئی، نہ روزے کا کوئی حکم ابھی آیا، نہ زکوٰۃ کا کوئی نظام قائم ہوا اور نہ ہی شریعت کے اکثر احکامات نازل ہوئے تھے۔ غور کرنا چاہیے کہ یہاں "عملِ صالح" سے آخر کون سا عمل مراد ہے؟ یہاں عملِ صالح کا مفہوم ہے ایمان لانے کے بعد تمام مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا، نبی اکرم ﷺ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا، جماعتی نظم کی پابندی کرنا، خاص طور پر ہر تشدد کو برداشت کرنا اور مدافعت میں ہاتھ نہ اٹھانا اور دین کی دعوت و تبلیغ میں نبی اکرم ﷺ کا دست و بازو بننا۔ یہ سب چیزیں عملِ صالح میں شامل ہیں۔ گویا ایک لفظ میں اگر ہم یوں کہیں کہ اِس آیت میں "عملِ صالح" سے مرادؔ ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی ہے تو یہ درست ہو گا۔ آج ہمارا عملِ صالح کا تصور صرف عبادات اور چند ظواہر تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ خاص طور پر دین کی تعلیمات سیکھنے اور اِنہیں عام کرنے اور دین کی مؤثر خدمت کے لیے کسی جماعتی نظم اختیار کرنے کو ہم اپنے اعمال کی فہرست میں شامل ہی نہیں سمجھتے۔ گویا ہمارے ذہنوں میں عملِ صالح کا جو نقشہ بنا ہوا ہے، اِس کا ابتدائی مکی دور میں وجود نہیں تھا۔

آیت 8:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ . . . اور ہم نے انسان کو وصیت کی اُس کے والدین کے بارے میں حُسنِ سلوک کی . . . وَاِنْ جَاهَدٰكَ . . . اور اگر وہ دونوں تجھ سے جہاد کریں . . . لِتُشْرِكَ بِيْ . . . کہ تو شرک کرے میرے ساتھ . . . مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ . . . جس کے لیے تیرے پاس کوئی علم نہیں . . . فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ . . . تو اُن کا کہنا نہ مان . . . اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ . . . میری طرف ہی تم سب کو لوٹنا ہے . . . فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ . . . تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے۔

- اِس آیت میں ایک ایسے معاملہ کے بارے میں رہنمائی دی گئی جو نوجوانوں کو درپیش تھا۔ یہ وہ نوجوان تھے جو مکہ میں اسلام کی دعوت قبول کرنے والوں میں اوّلین تھے۔ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام کی دعوت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک انقلابی دعوت ہے۔ یہ دعوت عام مذہبی معنی میں صرف تبلیغ کا عمل نہیں بلکہ اِس کا مقصد ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف انقلاب برپا کر کے اللہ کے عطا کردہ عادلانہ نظام کا نفاذ ہے۔ ہر دور میں کسی بھی انقلابی دعوت کی طرف پیش قدمی کرنے والوں میں معاشرہ کے دو طبقات آگے بڑھتے ہیں۔ ایک معاشرہ کا مظلوم اور پسا ہوا طبقہ اور دوسرے نوجوان۔ اِس وجہ سے مخالفین کی طرف سے ظلم و تشدد کا اوّلین نشانہ بھی یہی دو طبقات بنتے ہیں۔ نوجوانوں کو اُن کے والدین سختی اور ناصحانہ دونوں طرح سے اسلام سے دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِن حالات میں نوجوانوں کے لیے رہنمائی اِس آیت میں بیان کی گئی۔
- اصولی طور پر انقلابی دعوت کا اوّلین ہدف معاشرے کے وہ اعلیٰ طبقات ہوتے ہیں جن کے اختیار میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن اعلیٰ طبقات کے مفادات (Vested Interests) پہلے سے موجود نظام کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، مصلحتوں کی بھاری بیڑیاں اُن کے پاؤں میں پڑی ہوتی ہیں۔ اُن کے لیے کسی انقلابی دعوت کو قبول کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ تاہم اُن میں کچھ ایسے سلیم الفطرت لوگ بھی ہوتے ہیں جو اِس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ انقلاب کے بعد متبادل نظام کو چلانے کے لیے بڑے کارآمد ہوتے ہیں، جیسے کہ مثال ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ عام طور پر جو لوگ اِس دعوت کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اُن میں ایک تو وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اُس معاشرے میں دبے اور پسے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن کے کوئی مفادات اِس نظام کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے کہ جو اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن سکیں۔ دوسرا طبقہ جو کسی بھی انقلابی دعوت کی طرف پیش قدمی کرتا ہے وہ نوجوانوں کا ہوتا ہے۔ اُن کی عمر ولولوں اور جوش وجذبہ کی ہوتی ہے۔ ابھی کوئی مصلحت اُن کے سامنے نہیں ہوتی۔ اُن کے جسم و جان میں کردار کی حرارت موجود ہوتی ہے۔ ابھی اُن کا ضمیر

مفاد ات کے مقابلہ میں اتنا شکست خوردہ نہیں ہوتا کہ کسی بات کو حق سمجھنے کے باوجود اسے رد کر دے۔ چنانچہ یہ نوجوان انقلابی دعوت کا ہراول دستہ بنتے ہیں۔

- نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں قریش کے جن نوجوانوں نے پیش قدمی کی اُن میں حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ شامل تھے۔ اِن میں سے اکثر نوجوانوں کو جسمانی ایذاء اور تشدد کے ساتھ ساتھ جو مسئلہ درپیش ہوا وہ یہ تھا کہ اِن کے والدین اپنے حقوق کا واسطہ دے کر اِن پر دباؤ ڈالتے تھے کہ اس نئے دین کو چھوڑ دو اور آبائی دین پر واپس آجاؤ۔ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہو چکے تھے اور اُنہیں اُن کی والدہ نے بڑی محبت اور محنت سے پالا تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے دعوتِ توحید قبول کی تو مشرک والدہ ناراض ہو گئی اور بیٹے پر دباؤ ڈالنے کے لیے اعلان کر دیا کہ اگر سعد رضی اللہ عنہ اپنے آبائی دین میں واپس نہ آیا تو نہ کچھ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی۔ گویا آج کی اصطلاح میں اُس نے بھوک ہڑتال کر دی۔ اسلام قبول کرنے والے تمام نوجوان انتہائی سلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے اور اپنے والدین کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے پریشان کن صورتِ حال تھی کہ وہ والدین کی اطاعت کریں یا دینِ اسلام سے وابستہ رہیں۔ اِس پس منظر میں رہنمائی دینے کے لیے سورۃ العنکبوت[29] کی یہ آیت نمبر 8 نازل ہوئی۔

- اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم ہی نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، اُن کا ادب و احترام کرے اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے۔ والدین کے حقوق مُسَلَّم ہیں لیکن اِن پر فائق حق اللہ کا ہے۔ لہٰذا اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ تو اُن کا کہنا مت مانو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ[1]

(1) المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، الحسن ابن دینار عن الحسن عن عمران و سنن الترمذی، کتاب الجهاد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

"مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اِس سے خالق کی نافرمانی ہو"۔

- وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ مشرکین بھی جہاد کرتے ہیں۔ گویا جہاد منفی و مثبت دونوں کاموں کے لیے ہوتا ہے۔ اعلیٰ ترین جہاد ہے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا جسے "جہاد فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔
- مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ کے الفاظ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ شرک کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی یعنی کسی الہامی کتاب سے بھی شرک کو جائز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔
- اِلَیَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف حقوق کے درمیان تصادم کی صورت میں صحیح روش اختیار کرنے کے لیے جذبۂ محرکہ ہے آخرت میں جواب دہی کا احساس۔ آخرت میں اولاد اور والدین دونوں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے اور پھر حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آیت 9:

وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا . . . وہ لوگ جو ایمان لائے . . . وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ . . . اور جنہوں نے نیک عمل کیے . . . لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ۝ . . . ہم اُنہیں ضرور نیکوکاروں میں شامل کر دیں گے۔

- آیت نمبر 7 کے بعد یہاں ایک بار پھر ایمان اور عملِ صالح کا ذکر کر کے اہلِ ایمان کو بڑے تاکیدی اسلوب میں ایک بشارت سنائی جا رہی ہے۔ یہاں خطاب کا رُخ اُن نوجوانوں کی طرف ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں سے کٹ رہے تھے۔ یہاں اُن کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا جا رہا ہے کہ تم صرف کٹے ہی نہیں ہو، کسی سے جڑے بھی ہو۔ تمہیں اِس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ اب تمہارا تعلق قائم ہو گیا ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ۔ تم مشرکین سے کٹے ہو اور صالحین کے ساتھ ایمانی رشتے میں منسلک ہو گئے ہو۔ چنانچہ وہ صدمہ جو ایک سلیم الطبع انسان محسوس کرتا ہے کہ میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے کٹ گیا ہوں، اُس کا ازالہ اِس آیت سے ہو جاتا ہے۔
- دین کی خاطر اپنے رشتہ داروں سے کٹنے والوں کو صرف دنیا ہی میں صالحین کی رفاقت نہیں ملے گی بلکہ آخرت میں بھی یہ مبارک ساتھ میسر ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؁ (النساء [4] : 69)

"اور جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو ایسے ہی لوگ (آخرت میں) اُن (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں"۔

گویا ان جو انوں کے لیے تسلی ہے، کہ اگر اپنے آباء و اجداد سے وہ کٹ گئے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے اُن کا تعلق منقطع ہو گیا ہے تو وہ غمگین نہ ہوں۔ اُنہیں ایسے لوگوں کی رفاقت نصیب ہو گی جنہیں سورۃ الفاتحہ میں "مُـنـعَمْ عَلَـيهِمْ" یعنی انعام یافتہ لوگ قرار دیا گیا ہے۔ وہ روزِ قیامت انبیاءِ کرام ، صدیقین، شہداء اور نیکوکاروں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور اُن کے ساتھ جنت الفردوس میں داخل ہوں گے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل فرمائے! (آمین)

وادخلنا الجنۃ مع الابرار یا عزیز یا غفار!!

آیت 10:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ... لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ... اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ... ہم ایمان لے آئے اللہ پر ... فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ ... پھر جب اُن میں سے کسی کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اللہ کی راہ میں ... جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ ... تو وہ لوگوں کی (طرف سے ڈالی ہوئی) آزمائش کو اللہ کا عذاب سمجھ بیٹھتا ہے ... وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ ... اور اگر تمہارے ربّ کی طرف سے کوئی مدد آ جائے ... لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ ... تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ تھے ... اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ؁ ... تو کیا اللہ زیادہ باخبر نہیں ہے اِس سے جو کچھ جہان والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہے؟

- اس آیت میں وہ مضمون بیان ہوا ہے جو اِس سے قبل تفصیل کے ساتھ حقیقتِ نفاق کے ضمن میں آ چکا ہے۔ سورۃ العنکبوت [29] مکی دور کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی۔ اِس دور میں اِس کا کوئی امکان نہیں تھا کوئی شخص مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی نیت سے اسلام قبول کرلے جبکہ اندرونی طور پر وہ پکا کافر ہو۔ ہمارے ذہنوں میں منافق کا تصور یہی ہے۔ مکی دور میں تو کلمۂ

شہادت کا زبان پر لانا معاشرہ کو چیلنج کرنے اور اُس کے خلاف اعلانِ بغاوت کرنے کے مترادف تھا۔ یہ گویا ایسے ہی تھا کہ کوئی انسان خود ہر طرح کی مصیبت کو دعوت دے اور آگے بڑھ کر للکارے۔ لہٰذا اِس طرح کے نفاق کا دُور دُور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ یہاں دراصل اُس نفاق کا ذکر ہے جو کم ہمتی، بزدلی اور قوتِ ارادی کی کمزوری سے عبارت ہے۔ ایک شخص نیک نیتی سے ایمان لایا لیکن ایمان کے کٹھن تقاضے جب سامنے آنے لگے، مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو اِن سے طبیعت گھبرانے لگی۔ اب اگر اُن مشکلات کی وجہ سے کوئی انسان اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں پس و پیش کرنے لگے، دین کے راستے میں اُس کے قدم رکنے لگیں اور گومگو کی سی کیفیت اُس پر طاری ہو جائے تو یہی درحقیقت مرضِ نفاق کا نقطۂ آغاز ہے!

- اِس رکوع میں فتنے کی دو نسبتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ . . . ہم نے فتنے میں ڈالا اُن کو جو اِن سے پہلے تھے۔ دوسری نسبت لوگوں کی طرف اِس آیت میں بیان کی گئی۔ یہ دونوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں۔ اگرچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اُمیہ بن خلف اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہم پر ابوجہل ظلم و ستم کر رہا تھا لیکن یہ بغیر اذنِ رب ممکن نہیں۔ فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی تو اللہ ہے جس کے اذن کے بغیر پتا تک جنبش نہیں کر سکتا۔ جو قیامت مظلوموں پر ڈھائی جا رہی ہے، اُس کا ذمہ دار اُس ظالمانہ عمل کا کمانے والا ہے لیکن فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور آزمائش اُسی کی جانب سے ہے۔ اِس اعتبار سے فتنے کی یہ دونوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں۔
- اِس آیت میں اُن کم ہمت لوگوں کا ذکر ہے کہ جو لوگوں کی طرف سے پہنچائی گئی آزمائش اور تکلیف سے ایسے گھبرا اٹھتے ہیں جیسے کہ اللہ کے عذاب سے گھبرانا چاہیے۔ اُن لوگوں کی روش کا ایک دوسرا رُخ یہ بیان کیا گیا کہ اگر کہیں کوئی فتح نصیب ہو جائے، اللہ کی مدد آ جائے، کوئی مالِ غنیمت ہاتھ لگ جائے تو وہ پیش پیش ہوں گے اور کہیں گے کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ تھے اور فتح کے ثمرات ہمیں بھی ملنے چاہئیں۔ یہ ایک کردار ہے جو کسی معین دور سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر انقلابی تحریک کے ساتھ وابستہ ہونے والوں میں اِسے دیکھا جا سکتا ہے۔

- ہر انقلابی جد وجہد میں تین کردار بالکل نمایاں طور پر ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اِس دعوت کو ہر چہ بادا باد (جو ہو سو ہو) کی شان کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انقلابی جد وجہد اور اُس کے مقصد (cause) کے ساتھ ذہناً اور عملاً پورے طور پر وابستہ ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے سے موجود نظام کو بچانے کے لیے میدان میں آتے ہیں، وہ اپنے آپ کو پورے طور پر اُس نظام کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اُس کے حمایتی بن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ایک دوسرے کے مد مقابل آتے ہیں اور اِس طرح ایک کشاکش کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ایک تیسرا عنصر درمیان میں رہتا ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بازی کھیلنے کا قائل ہی نہیں۔ اُسے ہر حال میں اپنے مفادات عزیز ہیں۔ قرآنِ حکیم میں اِن کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (النساء[4]: 143)۔ نہ وہ اِدھر اپنے آپ کو وابستہ اور identify کرنے پر آمادہ ہیں، نہ اُدھر یکسو ہو کر اُن کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں بلکہ وہ اُن کے بین بین رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اِس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اُن کی حکمتِ عملی یہ ہوتی ہے کہ دونوں پارٹیوں کے ساتھ روابط رکھے جائیں تاکہ جس کسی کو بھی فتح نصیب ہو وہ اُس کے پاس جا کر اپنی وفاداری کا حوالہ دے کر اپنے لیے تحفظات اور مراعات حاصل کر سکیں۔ یہ ہے وہ منافقانہ کردار جس سے مکی دور میں اہلِ ایمان کو پیشگی متنبہ کیا جا رہا ہے۔
- آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے جو نیتیں اور ارادے جہان والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ یہ لوگ اپنی غلط بیانی سے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ[2] آیت 9 میں ایسے لوگوں کے فریب کا پردہ چاک کر دیا گیا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو اور وہ دھوکہ نہیں دے رہے مگر اپنے آپ کو اور اُنہیں اِس کا شعور نہیں"۔

آیت 11:

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... اور اللہ ظاہر کر کے رہے گا مومنوں کو۔ ... وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ ... اور وہ ظاہر کر کے رہے گا منافقوں کو۔

آیت 3 میں فرمایا گیا کہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو۔ اُس آیت میں سچے اور جھوٹے سے حقیقتاً جو مراد تھی، اِس آیت میں اُس پر سے پردہ اٹھا دیا گیا اور بات بالکل کھول دی گئی۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ظاہر کر دے گا کہ کون ہیں وہ جو واقعتاً مؤمن ہیں اور اِس عزمِ مصمم کے ساتھ آئے ہیں کہ ہر چہ باداباد اور کون ہیں وہ جنہوں نے اِس وادی میں قدم رکھا تو ہے لیکن تحفظات کے ساتھ۔ جنہیں اِس راہ کے مصائب و مشکلات کے مقابلے میں جان و مال کا تحفظ زیادہ عزیز ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اگرچہ یہ مکی سورت ہے اور مکی دور کے بھی وسط سے اِس کا تعلق ہے جبکہ ابھی اِس نفاق کا دُور دُور تک امکان نہیں تھا جو بعد میں مدنی دور میں پورے طور سے ظاہر ہوا، لیکن یہاں صاف الفاظ میں 'نفاق' اور 'منافقت' کا ذکر موجود ہے۔ گویا پیشگی متنبہ کر دیا گیا کہ اِس راہ میں اگر کم ہمتی کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ طرزِ عمل انسان کو منافقت کی آخری سرحدوں تک لے جا سکتا ہے۔

آیت 12:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا۔ ... لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اُن لوگوں سے کہ جو ایمان لائے۔ ... اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا ... پیروی کرو ہمارے راستے کی۔ ... وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ... اور ہم اٹھالیں گے تمہاری خطاؤں کا بوجھ۔ ... وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ... اور نہیں ہیں وہ اٹھانے والے اُن کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ ... اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ ... بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

- اِس آیت میں کافروں کے بڑے بوڑھوں کی طرف سے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کا ایک پُر فریب انداز بیان کیا گیا ہے۔ یہ بڑے بوڑھے جو خود شرک پر قائم تھے، وہ بڑے ناصحانہ انداز میں بظاہر بہت خیر خواہ بن کر ایمان لانے والے نوجوانوں سے کہتے تھے کہ بالکل بے فکر ہو کر اپنے آباء واجداد کے راستے پر چلتے رہو۔ ہمارے آباء واجداد حق پر تھے۔ ہم اُن کا راستہ کیوں ترک کریں۔ پھر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہتے کہ اگر واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ

تمہارے آباء واجداد کا یہ راستہ غلط ہے اور ہماری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی تو بھی مطمئن رہو، ہم خدا کے ہاں تمہاری طرف سے جواب دہی کریں گے اور اگر فی الواقع ہم غلطی پر ہوئے تو بھی گھبراؤ نہیں تمہاری خطاؤں کا بوجھ ہماری گردنوں پر ہوگا۔ یہ وہ معاملہ ہے جس کا تجربہ ہر اُس نوجوان کو ہوگا جو کسی بھی انقلابی تحریک سے منسلک ہو۔

- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا گیا کہ یہ سراسر جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزِ قیامت ہر ایک کو اپنی جواب دہی خود کرنی ہے اور کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہ ہوگا۔ یہ گمراہی آج ہمارے ہاں بھی ہے کہ روزِ محشر کوئی ہمیں عذاب سے چھڑا لے گا۔ کسی کے دامن سے وابستہ ہو کر ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت پانچ بار بیان کی گئی کہ:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام 6: 164، بنی اسرائیل 17: 15، فاطر 35: 18، الزمر 39: 7، النجم 53: 38)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا"۔

روزِ قیامت ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں پیش ہونا ہوگا اور اپنے اعمال کی جواب دہی خود کرنی ہوگی:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم 19: 95)

"اور وہ سب کے سب روزِ قیامت اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے"۔

روزِ قیامت ہر شخص کا انفرادی محاسبہ ہوگا اور اُس سے پانچ سوال دریافت کیے جائیں گے جن کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے:

لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ وَمَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ [1]

"روزِ قیامت ابنِ آدم کے قدم ہل نہ سکیں گے جب تک اُس سے پانچ باتوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے۔ زندگی کے بارے میں کہ کہاں لگا دی، جوانی کے بارے میں کہ کہاں

(1) سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی شان الحساب و القصاص، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کھپادی، مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا اُس پر کتنا عمل کیا"۔

روزِ قیامت یہ دلیل قبول نہیں کی جائے گی کہ ہم نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم کی پیروی کی تھی، اگر ہم غلطی پر تھے تو اِس کے ذمہ دار ہمارے بزرگ ہیں، ہم نہیں ہیں۔

- اِس آیت میں بڑی شدت کے ساتھ کفار کے پُر فریب جھوٹ کی نفی کی گئی اور اگلی آیت میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ظاہر ہو رہا ہے۔ اِس سے محسوس ہوتا ہے کہ کفار کے اِس پُر فریب جھوٹ سے کچھ لوگ متاثر ہو رہے تھے۔ ویسے بھی جب قوم کے بڑے بوڑھے کوئی بات اپنے تجربہ کے حوالے سے کہتے ہیں تو اُن کی بات بالعموم توجہ سے سنی جاتی ہے۔ دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے نوجوانوں پر اثر انداز ہونے کے لیے بزرگانِ قوم کی گفتگو کا انداز ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ میاں ہم نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ تم ابھی نو عمری کے دور میں ہو اور اپنے نفع نقصان کو نہیں سمجھتے۔ ہماری بات مانو ہم تمہارے خیر خواہ ہیں۔ کسی کے اپنے عزائم ہوتے ہیں جس کے لیے وہ نوجوانوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کی دنیا برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ پھر کسی وقت انسان اگر کسی خاص کیفیت میں ہو اور اُن بزرگوں کے ساتھ اُس کے حسنِ ظن کا رشتہ برقرار ہو تو اِس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اُن سے کوئی اثر قبول کر لے۔ لہٰذا پوری شدت کے ساتھ کفار کے دعویٰ کی نفی کی گئی اور اُن کے فریب کا پردہ چاک کر دیا گیا کہ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ "بلاشبہ یہ لوگ جھوٹے ہیں"۔

آیت 13:

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ ... یہ لوگ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ ... وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۔... اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ اور بوجھ ... وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ... اور لازماً اُن سے باز پُرس ہوگی قیامت کے دن اُس جھوٹ کے بارے میں جو وہ گھڑتے رہے۔

- اِس آیت میں مشرکین کے جھوٹے دعویٰ پر اللہ کا غضب بہت نمایاں ہے۔ بڑے تاکیدی اسلوب میں فرمایا کہ وہ لوگ جو دوسروں کو گمراہ کرنے اور اُنہیں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، اپنے اِس طرزِ عمل سے اپنے بوجھ میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں۔ انہیں اپنی

اٹھاؤں کے ساتھ اُن لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھانا ہو گا جو اُن کی باتوں میں آکر گمراہی کا شکار ہو گئے۔ البتہ گمراہ ہونے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ (النساء 4 : 85)

"جو شخص سفارش کرے گا کسی اچھی بات کی تو اُس کو اِس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو سفارش کرے گا کسی بُری بات کی اُس کو اِس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا"۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورِهِمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِهِمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا (1)

"جس نے کسی بھلائی کو جاری کیا پھر اِس کے بعد اُس پر عمل کیا گیا تو اُس کے لیے اُس کا اپنا اجر بھی ہے اور اُن کا اجر بھی (جنہوں نے اِس بھلائی پر عمل کیا) بغیر اُن کے اجر میں کوئی کمی کیے ہوئے اور جس نے کسی برائی کو جاری کیا پھر اِس کے بعد اُس پر عمل کیا گیا تو اُس کے لیے اُس کا اپنا وبال بھی ہے اور اُن کا وبال بھی (جنہوں نے اِس برائی پر عمل کیا) بغیر اُن کے وبال میں کوئی کمی کیے ہوئے"۔

آخر میں فرمایا کہ مشرکین جس جھوٹ کے ذریعہ ایمان لانے والوں کو گمراہ کر رہے ہیں، اِنہیں اس کے بارے میں جواب دہی کرنی پڑے گی۔

(1) سنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، عن أبي جحيفة رضي الله عنه

درسِ دوم:

سورۃ العنکبوت[29] رکوع 5-7

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۞ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۞

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ دوم سورۃ العنکبوت[29] کے رکوع 5 تا 7 میں سے اہلِ ایمان کے لیے صبر کے مراحل سے متعلق اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔

2. سورۂ عنکبوت کا نزول سن 5 نبوی ﷺ ہے۔ اِس زمانے میں سرداران قریش کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا بازار بھرپور طریقہ سے گرم تھا۔ مکی دور کے ابتدائی تین برسوں میں دشمنانِ اسلام کی مخالفت زبانی کلامی تھی اور انہوں نے اپنے تمسخر و استہزاء کا ہدف نبی اکرم ﷺ کی ذات کو بنائے رکھا تاکہ آپ ﷺ کا حوصلہ پست ہو جائے، آپ ﷺ کی کمرِ ہمت ٹوٹ جائے اور آپ ﷺ اپنے مشن کو ترک کر دیں۔ آپ ﷺ صبر و استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ ثابت قدمی سے اور انفرادی رابطوں کے ذریعہ لوگوں تک پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔ اس کے نتیجہ میں نوجوانوں اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد ایمان لے آئی۔ نبوت کے چوتھے برس آپ ﷺ نے علی الاعلان دین کی دعوت دینا شروع کی تو کفار نے محسوس کیا کہ یہ دعوت تو ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کر گئی ہے، ”نظامِ کہنہ کے پاسبانو، یہ معرضِ انقلاب میں ہے“۔ تب اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سوچنے لگے کہ جسے ہم مشتِ غبار سمجھے

تھے وہ تو ایک ایسی تیز آندھی بن رہی ہے جو ہمارے اِس نظام اور مفادات (Vested interests) کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر منتشر کر دے گی۔ یہیں سے وہ دور شروع ہوا جسے سیرت کی کتابوں میں ''تَعۡذِیۡبُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' یعنی مسلمانوں کی ایذار سانی بھیمانہ تشدد (Persecution) کا دور کہا جاتا ہے۔ کفار کی طرف سے جب مسلمانوں پر شدید جسمانی تشدد کیا جانے لگا تو بعض مسلمانوں کو کچھ گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ عنکبوت کی صورت میں ایک بھرپور خطاب نازل ہوا۔

3. سورۃ العنکبوت[29] پوری کی پوری صبر کے مراحل کے دوران درپیش صورتِ حال کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ سات رکوعوں پر مشتمل پوری سورۂ مبارکہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جاسکے۔ درسِ اوّل میں ہم پہلے رکوع کا تفصیلی مطالعہ کر چکے ہیں۔ اِس درس میں ہم اُن خصوصی ہدایات کو سمجھیں گے جو صبر سے متعلق رکوع 5 تا 7 میں بیان ہوئی ہیں۔ البتہ درمیانی حصہ یعنی رکوع 2 تا 4 میں وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ کی تفسیر میں اہل ایمان کو آگاہ کیا گیا کہ تم سے پہلے کئی رسولوں اور اُن پر ایمان لانے والوں کو بھی سخت آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا اور اُنہوں نے صبر و ثبات کی مثالیں قائم کر کے ہمیشہ ہمیش کی راحت کا سامان کر لیا۔ سورۂ مبارکہ کے اِس حصہ میں حسبِ ذیل رسولوں کی استقامت کی مثالیں بیان کی گئی ہیں:

I. سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا اور یہ بات خاص طور پر نمایاں کی گئی کہ اُنہوں نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی طرف سے مسلسل اعراض، انکار، استہزاء اور ایذا رسانیوں کو برداشت کر کے ثابت قدمی کی امتیازی مثال قائم کی۔

II. پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان بیان ہوئی جو تمام انسانوں کے لیے صبر و ثبات کا ایک بے نظیر اُسوہ ہیں۔ اُنہوں نے دلسوزی سے قوم کے سامنے دعوتِ توحید رکھی لیکن قوم نے جواب دیا اُقۡتُلُوۡهُ اَوۡ حَرِّقُوۡهُ اُنہیں قتل کر دو یا جلا دو۔ پھر اُنہیں آگ کے الاؤ میں جھونک دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔ پھر اُنہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور پوری زندگی ایک مسافرت کے عالَم میں بسر کی۔ کبھی شام کے بالائی علاقے میں ہیں

اور کبھی فلسطین میں۔ کبھی مصر میں ہیں تو کبھی حجاز میں۔ غریب الوطنی کی مشقتیں جھیلیں لیکن فلسطین و حجاز میں رہتی دنیا تک کے لیے مراکزِ توحید قائم فرما گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں خاص طور پر اِس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ حق کو پہچان لینے کے باوجود قبول نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے دنیوی زندگی میں "مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ" یعنی دوستی، رشتہ داری اور کاروباری تعلقات کی بنا پر باہمی محبت۔ یہ محبت پاؤں کی بیڑی بن جاتی ہے۔ انسان حق کو حق نہیں کہہ سکتا محض اِس وجہ سے کہ رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے اور رشتے کٹ جائیں گے۔ لیکن روزِ قیامت یہی لوگ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور آپس میں لعن طعن کریں گے کہ تم نے مروا دیا۔

iii. اِس کے بعد ذکر ہے حضرت لوط علیہ السلام کا۔ اُن کی دعوت پر سوائے اُن کی بیٹیوں کے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ قوم ہم جنس پرستی کے مکروہ فعل کو بھری مجالس میں انجام دے رہی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کے منع کرنے پر اُن کے خلاف اقدام پر تُل گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام کو فریاد کرنی پڑی: رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ "اے میرے رب اِس بگڑی ہوئی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما"۔

iv. مذکورہ بالا تین رسولوں کا قدرے تفصیلی ذکر کرنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوموں کے ساتھ کشمکش کا اجمالی ذکر ہے۔

اِن تمام داستانوں میں کہانی اور کردار ایک جیسے ہیں صرف نام بدل گئے ہیں۔ ایک طرف اہلِ باطل کی ہٹ دھرمی اور ظلم و جبر ہے اور دوسری طرف انبیاء اور اہلِ حق کا صبر و استقامت۔ یہ داستانیں اہلِ ایمان کو خبردار کر رہی ہیں کہ راہِ حق پر چلنا آسان نہیں۔ مصائب، تکالیف اور مشکلات اس راہ کے سنگ ہائے میل ہیں۔ جس نے بھی اس راہ میں قدم رکھنا ہو وہ تکالیف کو برداشت کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہے۔

اہلِ ایمان کے لیے خصوصی ہدایات

رکوع 5 تا 7 کی روشنی میں

سورۃ العنکبوت[29] کے اِن آخری تین رکوعوں کی چند آیات میں مسلمانوں کی رہنمائی کی جارہی ہے کہ اب مخالفین ظلم اور تشدد پر اتر آئیں تو اِس قسم کے حالات میں اہلِ ایمان کو کیا کرنا چاہیے۔ اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

آیت 45:

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ... (اے نبی ﷺ) تلاوت کیجیے اُس کی جو وحی کیا گیا ہے آپ ﷺ کی طرف کتاب میں سے... وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ... اور نماز قائم کیجیے... اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ... یقیناً نماز برائی سے اور بے حیائی سے روکتی ہے... وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ... اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے... وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ ... اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کررہے ہو۔

- اس آیت میں وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو اوّلین اور اہم ترین ہدایت یہ دی گئی کہ اس کٹھن راستے میں ہمدم، غم خوار، پشت پناہ، ہمت بندھانے اور ثابت قدم رکھنے والی سب سے بڑی اور مؤثر نعمت اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر کے معنی ہیں: اِسْتِحْضَارُ اللّٰهِ فِي الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کی یاد بسائے رکھنا۔
- اللہ کے ذکر کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے قرآنِ حکیم جو کہ "الذکر" بھی ہے اور "ذکریٰ" بھی:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر[15] : 9)

"بے شک یہ "ذکر" ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (هود[11] : 120)

"اور اس (قرآن) میں (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کے پاس آگیا ہے حق اور (یہ) مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی ہے"۔

مشکل حالات میں بہت بڑا سہارا تلاوتِ قرآن ہے۔ اِس کتاب میں سبق آموز داستانیں اور مثالیں بھی ہیں، صبر و استقامت پر اعلیٰ اجر و ثواب کی نوید بھی ہے اور بے صبری کے بھیانک

انجام سے خبر دار بھی کیا گیا ہے۔ البتہ تلاوت کے معنی ہیں سمجھ کر، ہدایت اور عمل کی نیت سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ اِس طرح پڑھنے سے محسوس ہو گا کہ قرآن ہمارے دکھوں کا علاج، غموں کا مداوا اور زخموں پر مرہم ہے۔

- اللہ کے ذکر کا جامع ترین ذریعہ ہے نماز۔ اِس میں ذکرِ قولی بھی ہے اور ذکرِ **عملی** بھی۔ اِس میں زبان سے اللہ کو یاد کرنا بھی شامل ہے اور اُس کے سامنے اظہارِ بندگی کے طور پر جھک جانا بھی۔ نماز میں تکبیر، تسبیح، تحمید، تلاوتِ قرآن اور دعائیں سب ہی شامل ہیں۔ نماز کے بارے میں خاص طور پر فرمایا کہ یہ انسان کو برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے یعنی یہ انسان کے تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں ہم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ کے ذریعہ، اللہ سے اپنے عہدِ بندگی کو تازہ کرتے ہیں:

سرکشی نے کر دیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں

جو لوگ نماز کو سمجھ کر اور پورے شعور کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ اپنے عہدِ بندگی کا پاس کرتے ہیں اور برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے باز آجاتے ہیں۔ نماز کے دوران اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار گناہوں پر ندامت ہوتی ہے اور بالآخر انسان توبہ کرلیتا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

نبی اکرم ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح چوری کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب اُس کی نماز اُسے اِس کام سے روک دے گی۔ [1] البتہ اگر کسی کی نماز اُسے برائی اور بے حیائی سے نہیں روک رہی تو اُس کے لیے حدیثِ نبوی ﷺ میں وعید ہے کہ:

---

(1) مسند احمد، مُسْنَدُ الْمُكْثِرِيْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ، مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

مَنْ صَلّٰی صَلَاۃً لَمْ تَأْمُرْہُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَمْ تَنْهَهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، لَمْ يَزْدَدْ بِهَا مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا[1]

"جس نے نماز پڑھی کہ اس کی نماز نے نہ اُسے نیکی کا حکم دیا اور نہ بے حیائی اور برائی سے روکا تو وہ نماز اُسے اللہ سے دور کر دے گی"۔

جس کی نماز اُسے برائی اور بے حیائی سے نہیں روکتی اُس کی نماز، نماز نہیں محض ایک رسم ہے:

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خو باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

آیت 46:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ... اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے کہ جو بہت اچھا ہو ... اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ... سوائے اُن کے جو بے انصافی کریں ... وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ... اور کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اُس (کتاب) پر جو ہم پر اتری اور اُس (کتاب) پر جو تم پر اُتری ... وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ... اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ... وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ ... اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔

- اِس آیت میں اہلِ ایمان کو اہلِ کتاب خصوصاً عیسائیوں کے ساتھ عمدگی کے ساتھ مجادلہ یعنی بحث و مباحثہ کا حکم دیا گیا۔ اِس کا پس منظر یہ ہے کہ اگلی آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دی جارہی ہے۔ مسلمانوں نے ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانا تھا، جہاں عیسائی آباد تھے۔ اِسی لیے یہاں عیسائیوں کے ساتھ مجادلۂ احسن کا حکم دیا گیا۔ مجادلۂ احسن یہ ہے کہ گفتگو میں جارحانہ انداز اختیار نہ کیا جائے، اعتراضات کا جواب شائستگی اور وقار سے دیا جائے، کوئی

(1) شعب الإيمان للبيهقي، كتاب تحسين الصلاة، والإكثار منها ليلا ونهارا... باب من صلى صلاة لم تأمره بالمعروف...، عَنِ الْحَسَنِ البصري رحمه الله

گھٹیا بات مخالفت میں نہ کی جائے، مخاطب پر بے جا جوابی اعتراضات نہ کیے جائیں اور مخاطب کے معبودوں اور بزرگوں کی توہین نہ کی جائے۔

- اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں سے جو لوگ ظلم یعنی ہٹ دھرمی پر اتر آئیں اُن سے مجادلہ کیا ہی نہ جائے جیسے سورۃ القصص[28] آیت 55 میں اللہ کے محبوب بندوں کی، ہٹ دھرمی کرنے والوں سے گفتگو بیان کی گئی:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۫ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِى الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۵۵﴾

"اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم کو سلام، ہم جاہلوں سے نہیں الجھتے"۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اُن سے اِسی انداز سے گفتگو کی جاسکتی ہے جیسا انداز وہ اختیار کر رہے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل[16] : 126)

"اور اگر تم اُن سے بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا اُنہوں نے تمہیں ستایا ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے"۔

- آیت کے دوسرے حصہ میں تبلیغ کی ایک حکمت کا بیان ہے۔ گفتگو کی اساس ہمیشہ ایسی بات کو بنایا جائے جو اپنے اور مخاطب کے درمیان قدرِ مشترک ہو۔ مخاطب کی کوئی خوبی ہو تو اُسے تسلیم کیا جائے۔ کسی کی دشمنی انسان کو اندھا نہ کر دے۔

آیت 56:

يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ... اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو!... اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ ... میری زمین بہت کشادہ ہے... فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ ... پس تم صرف میری ہی بندگی کرو۔

- اِس آیۂ مبارکہ میں مسلمانوں کو ہدایت دے دی گئی کہ اگر کسی ایک مقام پر تمہارے لیے توحید پر کاربند رہنا ناممکن بنا دیا گیا ہو تو تم اُس زمین کے ساتھ بندھے نہ رہو اور وہ خطۂ ارضی

تمہارے قدموں کو روک نہ لے بلکہ تم ہجرت کر جاؤ۔ تمہیں بہر صورت بندگی اللہ ہی کی کرنی ہے۔ اہمیت اللہ کی بندگی کی ہے نہ کہ کسی سرزمین کی۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ سورۃ النساء[4] آیت 100 میں فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ

"اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سی جگہ اور وسعت پائے گا"۔

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اَے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

- اسی ہدایت اور رہنمائی کے تحت نبی اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو اجازت دی کہ اگر مکہ کی سرزمین اُن پر تنگ ہو گئی ہے تو وہ مکہ سے حبشہ چلے جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے دو قافلے حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اپنی زوجہ یعنی نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اِن ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔
- ہجرت ایک بہت ایثار و قربانی والا عمل ہے۔ اپنا گھر بار، کھیتیاں اور باغات، جمے جمائے کاروبار اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف اور صرف دین پر عمل کی خاطر دیارِ غیر منتقل ہونا آسان نہیں ہے۔ اسی لیے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟[(1)]

"کیا تم جانتے نہیں ہو کہ بے شک اِسلام قبول کرنا پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور بے شک ہجرت کا عمل پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور بے شک حج کی عبادت پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے؟"

اقبال نے ہجرت کی اہمیت کیا خوب بیان کی ہے:

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی — رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی — دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ وکذا الھجرۃ والحج، عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

آیت 57:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ . . . ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔ . . **ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ** . . . پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اِس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے، یہاں کا آرام و آسائش بھی ختم ہونے والا ہے اور تکالیف اور مشقتیں بھی وقتی ہیں۔ پھر سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ لٰہذا اگر انسان تکالیف سے گھبرا کر ہجرت نہ کرے گا تو کب تک اِس دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھائے گا، موت تو آنی ہے اور خواہی نہ خواہی تمام مال و اسباب تو چھوڑنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ انسان اِس دنیا کی عارضی مشقتیں برداشت کر کے ہمیشہ ہمیش کی راحت کا سامان کر لے۔

ایک عام انسان موت کے تصور سے کانپ جاتا ہے جبکہ بندۂ مومن موت کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ:

i. موت اپنے معین وقت اور مقام پر آ کر رہے گی۔ سورۃ النساء[4] آیت 78 میں فرمایا گیا:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ

"تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔"

ii. دنیا کی زندگی ایک امانت (Liability) ہے جس کے ایک ایک لمحہ کی جواب دہی کرنی ہے، لٰہذا طولِ عمر کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔

iii. موت اللہ سے ملاقات کو قریب کر دیتی ہے اور اِس حوالے سے ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَائَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَائَهُ[1]

"جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنا پسند نہیں کرتا ہے"۔

(۱) صحيح البخاری، كتاب الرِّقَاقِ، باب مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، صحيح مسلم، كتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، باب مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ، عَنْ أَبِي مُوسٰى رضی اللہ عنہ

۱۷۔ بندۂ مومن جانتا ہے کہ دنیوی زندگی محض امتحان کے لیے ہے لہٰذا موت اُسے پیغامِ راحت دیتی ہے کہ اب آزمائش وامتحان کا دور ختم ہوا، یہی وجہ ہے کہ:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید، تبسم بر لبِ اُوست

آیت 58-59:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ... لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا ... ہم لازماً ان کو ٹھکانہ دیں گے جنت کے بالاخانوں میں ... تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ... بہتی ہیں جن کے دامن میں ندیاں ... خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ... ہمیشہ رہنے والے ہیں اُن میں ... نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ کیا ہی عمدہ ہے بدلہ عمل کرنے والوں کا ... الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ... وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا ... وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ ... اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اس آیت میں اہلِ ایمان سے انتہائی پختہ وعدہ کیا گیا کہ جو لوگ اللہ کی بندگی کی خاطر اپنے دنیوی مال و اسباب اور ٹھکانے کو چھوڑ کر ہجرت کرتے ہیں، اللہ اِنہیں جنت کے بالاخانوں میں ٹھکانہ عطا فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا یعنی جو ثابت قدم رہے، نہ کسی تشدد اور مخالفت سے بددل ہوئے نہ کسی لالچ اور سودے بازی سے متاثر ہوئے اور اپنا سب کچھ لٹا کر غریب الوطنی اختیار کی۔ اُنھوں نے ثابت کیا کہ اُن کا بھروسہ اسباب پر نہیں، مسبب الاسباب پر ہے۔

آیت 60:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ ... اور بہت سے جاندار ہیں ... لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ... جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے ... اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ... اللہ ہی اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی ... وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ ... اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ہجرت کے عمل میں ایک بڑی رکاوٹ یہ خدشہ ہوتا ہے کہ انسان کھائے گا کہاں سے۔ اِس آیت میں فرمایا گیا کہ ہر مخلوق کا رازق اللہ ہے۔ جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں وہ اُنہیں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُنہیں گمان بھی نہیں ہوتا:

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق[65] : 2-3)

"اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے، اللہ اُس کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اُسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اُس کے لیے کافی ہے"۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے اِس وعدے پر یقین کر کے ہجرت کی، اللہ نے اُن کو عمدہ ٹھکانہ دیا، اپنے خاص فیض سے اُن کی مدد کی اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا:

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (الانفال[8] : 26)

"اور یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں تو اُس نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی اور پاکیزہ رزق عطا کیا تاکہ تم شکر کرو"۔

آیت 64:

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ ۔۔۔ اور یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے ۔۔۔ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ ۔۔۔ مگر صرف کھیل اور تماشہ ۔۔۔ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ ۔۔۔ اور بلاشبہ آخرت کا گھر ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے ۔۔۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۔۔۔ کاش یہ (لوگ) جان لیتے۔

اِس آیت میں ایک ایسی حقیقت بیان کی جارہی ہے جو پیشِ نظر رکھنے سے انسان کی سوچ کا رُخ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی کتابِ زندگی کا محض دیباچہ ہے اور اصل کتابِ زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا کی محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی۔ دنیا کی زندگی محض ایک ڈرامہ ہے۔ ڈرامہ میں کوئی شخص بادشاہ کا کردار ادا کرتا ہے اور کوئی فقیر کا۔ ڈرامہ ختم ہونے پر نہ بادشاہ، بادشاہ رہتا ہے اور نہ فقیر، فقیر۔ اِسی طرح جب موت آتی ہے تو خواہ جنازہ کسی محل سے نکلے یا جھونپڑی سے، دونوں کا لباس، سواری، آرام گاہ اور بستر ایک جیسا ہو جاتا ہے۔ جس

کے اعمال برے ہیں وہ ابدی خسارے سے دوچار ہو جاتا ہے اور جس کے اعمال اچھے ہیں وہ ہمیشہ ہمیش کی نعمتیں پالیتا ہے:

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ۝ (الکہف 18: 46)

"مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں جو بہتر ہیں تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور امید لگانے کے اعتبار سے"۔

آیت 69:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔۔۔ اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ۔۔۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ۔۔۔ ہم ضرور اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے ۔۔۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۔۔۔ اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

- اِس آیۂ مبارکہ میں ایسے بندۂ مؤمن کے لیے ایک نوید جاں فزا ہے جو عملاً صبر و مصابرت، آزمائشوں اور تکالیف کے امتحانات سے گزر رہا ہے۔ بڑے حتمی اور قطعی اسلوب میں یقین دہانی کرائی گئی کہ جو لوگ ہمارے دین پر عمل اور اِس کی سربلندی کے لیے جہاد کر رہے ہیں ہم لازماً اُن کے لیے ہدایت اور کامیابی کے راستے کھول دیں گے۔
- اِس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وعدہ کیا گیا کہ قدم بڑھاؤ اور آگے کی منزلوں کے بارے میں زیادہ فکر مند نہ ہو، اللہ تمہاری انگلی پکڑ کر تمہیں اپنے راستے پر چلائے گا۔ اللہ تمہارے لیے وہاں سے راستے کھولے گا جہاں سے کوئی راستہ کسی کو نظر نہ آتا ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نگاہ ڈالیے۔ مکی دور میں سن 10 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی راستہ دُور دُور تک نظر نہ آ رہا تھا۔ مکہ سے مایوس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔ وہاں وہ کچھ ہوا جو مکی دور میں دس سال میں بھی نہ ہوا۔ واپسی پر مکہ میں ایک مشرک کی امان لے کر داخل ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اُس وقت اُمید کی کوئی کرن دُور دُور تک نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اللہ نے گھر بیٹھے راستہ کھول دیا۔ سن 11 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ منورہ کے ۶ افراد ایمان لے آئے۔ اگلے سال ۱۲ اور اِس سے اگلے سال ۷۵ افراد مشرف با اسلام ہو گئے۔ مدینہ منورہ

دارالھجرۃ بن گیا۔ وہاں آپ ﷺ کے قدم ہائے مبارک ابھی پہنچے بھی نہیں لیکن استقبال کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ پھر آٹھ برس بعد آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ لوٹے۔ یہ ہے اللہ کا وہ پختہ وعدہ جس کا عملی ظہور اِس صورت میں ہوا۔ بندۂ مؤمن کا فرض یہ ہے کہ اپنے حالات کے مطابق جو کچھ وہ کر سکتا ہے کر گزرے، نتائج کو اللہ کے حوالے کرے۔ کہاں سے راستہ نکلے گا، اِس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے یہ چیز اپنے ذمہ لے لی ہے۔

- اِس آیت میں ایک اہم نکتہ یہ بیان ہوا کہ ہدایت اُسی کو ملتی ہے جو اللہ کی راہ میں کوشش کرتا ہے۔ مولانا مودودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "تفہیم القرآن" کے مقدمہ میں اِس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے کہ:

"لیکن فہم قرآن کی اِن ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لیے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ آپ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اِسے پڑھیں اور اِس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصورِ مذہب کے مطابق ایک نِری مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اِس کے سارے رموز حل کر لیے جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اِس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشۂ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اِس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ضلالت سے اِس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے اِن سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیانِ حق سے اِن کی جنگ کرائی۔ ایک فردِ واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافتِ الٰہیہ کے قیام تک پورے 23 سال یہی کتاب اِس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی اور حق و باطل کی اِس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اِسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاعِ کفر و دین اور معرکۂ اِسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اِس کشمکش کی کسی منزل سے گزرنے کا آپ کو

اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اِس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اِسے تو پوری طرح آپ اُسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اِسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے اِسی طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزولِ قرآن کے وقت پیش آئے تھے"۔

- یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اِس آیت میں لفظ "جہاد" آیا ہے حالانکہ یہ سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی جب، کہ ابھی قتال کا دُور دُور تک کہیں کوئی سوال نہیں تھا۔ یہاں جہاد سے مراد وہ مجاہدہ، کشمکش اور تصادم ہے جو نظریاتی سطح پر ہو رہا تھا۔ صبر کا صبر کے ساتھ مقابلہ ہو رہا تھا۔ مشرکین اپنے نظامِ باطل کے تحفظ کے لیے لوگوں کو دینِ حق کی قبولیت سے روک رہے تھے اور اہلِ ایمان اپنے ایمان کی حفاظت اور لوگوں تک دینِ حق کی انقلابی دعوت پہنچانے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔

درسِ سوم:

سورۃ الکھف[18] آیات 27 تا 29

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ سوم سورۃ الکھف[18] کی آیات 27 تا 29 پر مشتمل ہے۔
2. اِن آیات میں خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اِس خطاب کا رُخ سرداراِنِ قریش کی طرف بھی ہے۔ یہ سرداراِنِ قریش آپ ﷺ کی دعوت کے اوّلین مخاطب تھے۔ آپ ﷺ کی دعوت ایک انقلابی دعوت تھی اور کسی بھی انقلابی دعوت کا رُخ سوسائٹی کے اعلیٰ ترین طبقات کی طرف ہوتا ہے۔ انقلابی دعوت پس ماندہ طبقات کو اپنا اوّلین ہدف نہیں بنایا کرتی جیسے کہ عیسائی مبلغین کا عام انداز ہوتا ہے کہ پسے ہوئے اور دبے ہوئے طبقات کی دلجوئی کر کے اور کچھ اُن کی خدمت کر کے مثلاً دودھ کے ڈبے تقسیم کر کے یا اُن کے علاج معالجہ کا بندوبست کر کے اُن کے دلوں میں اپنے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کر لیا جائے۔ انقلابی دعوت کا مشن نظام کی تبدیلی ہوتا ہے لہٰذا اِس کے اوّلین مخاطب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ عوام کی اکثریت اِن کے تابع ہوتی ہے۔ اگر یہ مان جائیں تو عوام

بھی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ اگر یہ ہٹ دھرمی پر اتر آئیں تو عوام کے سامنے اُن کی اخلاقی حیثیت گر جاتی ہے۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن میں سے کم ہی دعوت قبول کرتے ہیں اور دعوت کی طرف سب سے پہلے عوام ہی پیش قدمی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے منصبِ رسالت پر فائز فرمانے کے بعد پہلا حکم دیا کہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (النازعات [79] : 17)... "جاؤ فرعون کے پاس وہ بہت سرکشی کر رہا ہے"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے حالات سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے طائف کے تین چوٹی کے سرداروں سے ملاقات کی اور اِسلام کی دعوت اُن کے سامنے رکھی۔ اُن کے انکار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو دعوت دی۔ مکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردارانِ قریش کو دعوت کے حوالہ سے بڑی اہمیت دیتے تھے اور اِسی پس منظر سے سورۃ الکہف [18] کی یہ آیات بحث کر رہی ہیں۔

3. سورۃ الکہف [18] کی اِن آیات میں سودے بازی کی اُس پیشکش کا جواب دیا جا رہا ہے جو انقلابی دعوت کے مخالفین یعنی سردارانِ قریش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ رہے تھے۔ انقلابی دعوت کی پہچان ہی یہ ہے کہ نظامِ باطل کے مفاد یافتہ طبقات اِس کی مخالفت کرتے ہیں۔ انقلابی جدوجہد کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے مشن سے ہٹانے کے لیے مخالفین نے تین حربے اختیار کیے:

i-طنز و تشدد   ii-لذاتِ دنیوی کی پیشکش   iii-سودے بازی کی پیشکش

i. طنز و تشدد:

مکی دور کے ابتدائی تین سالوں یعنی سن 1 تا 3 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخالفین نے طنز اور مذاق کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ استقامت کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا تو پھر مخالفین تشدد پر اُتر آئے۔ چنانچہ سن 4 تا 6 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور اہلِ ایمان اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی ظلم و ستم کی داستان پیش کرتا ہے۔ اِسی کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت ملی۔ ہجرتِ حبشہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری مخالفت مرتکز ہو گئی خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی

پر۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر عین حرم میں اِس قدر تشدد کیا گیا کہ آپ ﷺ گر کر بیہوش ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے اور پکار کر کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ[1] "(بدبختو!) کیا تم ایک شخص کو صرف اِس جرم کی پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے!"۔ مخالفین نے آپ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی گر کر بیہوش ہو گئے۔ اِسی دور کا واقعہ ہے کہ ابو جہل کے اشارے پر عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ پر عین سجدے کی حالت میں اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی ڈال دی[2]۔ اِس طرح بھی ہوا کہ صبح آپ ﷺ گھر سے نکلتے تو ابولہب اور اِس کی بیوی آپ ﷺ کے دروازے کے سامنے کانٹے بچھا دیتے[3] یا یہ کہ آپ ﷺ کسی گلی سے گزر رہے ہیں اور کوئی اوپر سے راکھ یا خاک آپ ﷺ کے سر پر ڈال دیتا۔ اِس سب کے باوجود نبی اکرم ﷺ کا تبلیغ دین کے لیے جوش اور ولولہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

ii. لذاتِ دنیوی کی پیشکش:

سردارانِ قریش نے جب یہ محسوس کیا کہ تشدد کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو اُن کے مشن سے روکا نہیں جا سکتا تو انہوں نے اب لالچ کا پھندا پھینکا۔ بنو ہاشم کے سردار ابو طالب کے پاس آکر سردارانِ قریش نے پیشکش کی کہ اگر تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کو بادشاہت چاہیے تو ہم اُسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں، اُسے دولت کی خواہش ہے تو ہم اُس کے قدموں میں دولت کا انبار لگا دیتے ہیں، اگر اُسے کسی جگہ نکاح کرنا ہو تو عرب کے جس گھرانے میں وہ چاہے ہم شادی کرا دیں گے۔ ہم اُس کا ہر مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہیں لیکن کسی طریقہ سے تم اُسے توحید کی دعوت سے روک دو۔ ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلا کر یہ پیشکش سامنے

---

(1) صحيح البخاري، كتاب الْمَنَاقِبِ، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا، عَنْ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ

(2) صحيح البخاري، كتاب الْوُضُوءِ، باب إِذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ أَوْ جِيفَةٌ لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ، عَنْ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ

(3) السيرة النبوية لابن هشام، كتاب خَبَرُ الصَّحِيفَةِ، باب مَا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِي أَبِي لَهَبٍ

رکھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اِس دعوت سے باز آنے والا نہیں ہوں۔

اِس کے بعد سردارانِ قریش نے ابوطالب کو دھمکی دی کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے، اب تم اپنے بھتیجے کی حمایت چھوڑ دو، ہم اِس سے نپٹ لیں گے۔ اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تم حسبِ سابق خاندانی سطح پر محمد ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت برقرار رکھو گے تو پھر ٹھیک ہے، اب بنو ہاشم کا اور قریش کے بقیہ گھرانوں کا کھلا تصادم ہو گا۔ ابوطالب نے گھبرا کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی اور ساتھ ہی یہ کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔ گویا ابوطالب کی ہمت بھی جواب دیتی نظر آئی۔ محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کی طرف سے اِس متحدہ چیلنج کو قبول کرنا اُن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ شدتِ تاثر سے آپ ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ایک دنیوی سہارا تھا جو اب ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے نہایت پُرعزم لہجے میں فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم! یا تو میں اِس کام میں ہلاک ہو جاؤں گا اور یا اللہ اِس کام کو پورا کرے گا۔ اللہ نے اِس موقع پر ابوطالب کو بھی ہمت عطا فرمائی، اُنہوں نے کہا کہ پھر ٹھیک ہے بھتیجے! میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔[1]

اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی جانب سے اب نبی اکرم ﷺ اور بنو ہاشم کے خلاف ایک متفقہ اقدام ہوا جس کے نتیجہ میں یہ طے کیا گیا کہ بنو ہاشم سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا جائے۔ یہ ایک طرح کا socio-economic بائیکاٹ تھا جس نے تین سال کی ایک قید کی شکل اختیار کی۔ سن 7 تا 10 نبوی ﷺ خاندانِ بنو ہاشم کو ایک گھاٹی شعب بنی ہاشم میں محصور کر دیا گیا۔ اِس گھاٹی پر سخت پہرا تھا اور کوئی چیز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اِس دوران ایسا وقت بھی آیا کہ گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے بھی کھا کر ختم کر دیے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنو ہاشم کے بلبلاتے بچوں کو اِس کے سوا اور کچھ میسر نہیں تھا کہ سوکھے چمڑے اُبال کر اِن کا پانی اُن کے حلق میں ٹپکا دیا جائے۔ بہر حال نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ خاندانِ بنو

---

(1) السيرة النبوية لابن هشام، كتاب مباداة رسول الله ﷺ قومه، باب طلب ابي طالب الى الرسول ﷺ الكف عن الدعوة وجوابه له

ہاشم نے اِس سختی کو جھیلا اور برداشت کیا، مقابلہ میں ہاتھ نہیں اٹھائے لیکن اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے۔

کچھ صلح پسند اور نیک لوگوں کی مداخلت سے سن 10 نبوی میں یہ قید ختم ہوئی۔ اخلاقی طور پر کفار کو اِس معاملے میں شکست ہوئی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے موقف میں کوئی نرمی اور کوئی لچک پیدا نہیں کی۔ اِسی سال آپ ﷺ دو دنیوی سہاروں سے محروم ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی وفا شعار زوجہ اور ابو طالب جیسے شفیق سرپرست کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی، وہ بھی نہ رہی اور خاندانی اعتبار سے سہارا دینے والا ایک پشت پناہ تھا، وہ بھی رخصت ہوا۔ آپ ﷺ نے اِس سال کو "عام الحزن" قرار دیا۔ بنو ہاشم کا سردار، آپ ﷺ کا بدترین دشمن ابو لہب بن گیا۔ سردارانِ قریش کے حوصلے یکدم بلند ہو گئے۔ مشورے ہونے لگے کہ اب وقت ہے کہ آخری فیصلہ کر ڈالا جائے، آخری اقدام اب کر دیا جائے۔ اِن مایوس کن حالات کی وجہ سے آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ طائف میں آپ ﷺ کے ساتھ وہ ظلم و زیادتی ہوئی جو مکہ میں دس سال کے دوران بھی نہ ہوئی تھی۔ مکہ واپس آئے تو آپ ﷺ کو شہید کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ کو ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کی سرپرستی لے کر مکہ میں داخل ہونا پڑا۔

iii. سودے بازی کی پیشکش:

تشدد اور لالچ کے حربوں کی ناکامی کے بعد اب قریش نے آپ ﷺ کو مصالحت کی پیشکش کی۔ سردارانِ قریش نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! تم ہمارے کچھ مطالبات مان لو تو ہم تمہاری مخالفت ترک کر دیں گے اور تمہاری کچھ باتیں مان لیں گے۔ تین مطالبات سردارانِ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے:

(۱) نبی اکرم ﷺ ایمان لانے والے غرباء اور غلاموں کو اپنے پاس سے دور کر دیں۔

(۲) قرآنِ حکیم میں قریش کی خواہشات کے مطابق ترامیم کر لیں۔

(۳) ایک سال تک آپ ﷺ قریش کے معبودوں کی عبادت کریں تو پھر ایک سال قریش صرف اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔

سورۃ الکہف[18] کی زیرِ درس آیات میں اسی سودے بازی کی پیشکش کا جواب دیا گیا ہے۔

آیات پر غور و فکر

آیت 27:

وَ اتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ... اور (اے نبی ﷺ) تلاوت کرتے رہیے (اُس کلام کی) جو کہ وحی کیا گیا ہے آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی کتاب میں سے ... لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ... اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں ... وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ... اور آپ ﷺ اس کے سوا اپنے لیے کوئی اور پناہ گاہ نہ پائیں گے۔

- وَ اتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ کے الفاظ میں آپ ﷺ کو رہنمائی عطا کی گئی کہ مشکل، مایوس کن اور صبر آزما حالات میں آپ ﷺ کو راحت اور ثابت قدمی کی دولت قرآنِ حکیم کی تلاوت کے ذریعہ حاصل ہو گی۔ اصل میں قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر[15]: 9)

"بے شک یہ 'ذِکر' ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"۔

اللہ کا ذکر ہی دلوں کے لیے اطمینان اور چین کا باعث ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد[13]: 28)

"جان لو! دلوں کو اطمینان تو اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔"

- آیت کے حصہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ میں سردارانِ قریش کے اِس مطالبہ کو رد کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم میں اُن کی خواہشات کے مطابق کچھ ترمیم کر دی جائے۔ سردارانِ قریش بار بار آپ ﷺ سے کہتے تھے کہ اِس قرآن کا موقف انتہائی سخت ہے اور یہ ہمارے معبودوں کی کامل نفی کرتا ہے۔ لہٰذا آپ قرآن میں تبدیلی اور لچک پیدا کیجیے یا پھر دوسرا قرآن پیش کیجیے۔ سورۃ یونس[10] آیت 15 میں اِس بات کا ذکر یوں ہوا کہ:

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ

"جب اِن مشرکین کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جو ہم سے ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ)! اِس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن پیش کر دیا اِس میں کچھ تبدیلی کر لو"۔

جواب میں آپ ﷺ سے کہلوایا گیا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞

"(اے نبی ﷺ)! کہہ دیجیے میرے لیے ہر گز ممکن نہیں ہے کہ میں اِسے اپنے مرضی سے بدل دوں، میں تو خود پابند ہوں اُس کا کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے تو خود اندیشہ ہے ایک بہت بڑے دن کی سزا کا"۔

یہ مضمون قرآنِ حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے لیکن اِس کا بیان سورۃ بنی اسرائیل[17] کی آیات 73-75 میں اپنے نقطہ کمال (Climax) کو پہنچ گیا ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۞ (بنی اسرائیل[17] : 73)

"اور (اے نبی ﷺ) قریب تھا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو ہٹا دیں اُس کلام سے جو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کیا ہے تاکہ آپ ﷺ اِس کے سوا کوئی چیز اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ تو پھر وہ آپ ﷺ کو اپنا دوست بنا لیں گے"۔

گویا مشرکین آپ ﷺ پر پورا دباؤ ڈال رہے تھے کہ کسی طرح آپ ﷺ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کر دی جائے کہ جس سے اُن کے مشرکانہ موقف کی تائید ہو جائے اور جھگڑے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے۔ آیت 74 میں فرمایا:

وَ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۞

"اور (اے نبی ﷺ) اگر ہم ہی نے آپ ﷺ کو ثبات عطا نہ کیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپ ﷺ اُن کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک ہی جاتے"۔

اِس آیت کے مضمون کو سمجھنے کے لیے اُس وقت کا تصور کیجیے جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اُس وقت بظاہر اِسلام کے فروغ کا کہیں کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر چہار طرف سے راستے بند

نظر آرہے تھے۔ ایسے حالات میں امکانی طور پر یہ خیال دل میں آسکتا ہے کہ چلو وقتی طور پر اگر کچھ تھوڑی بہت مصالحت کر کے کام نکال لیا جائے تو اِس میں کیا حرج ہے۔ جب حالات ہمارے قابو میں آجائیں گے تو ہم پھر اپنے اصل موقف کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اگر ہمارا موقف اِسی طریقے سے بالکل دوٹوک اور بے لچک رہا، تو پھر معاملہ بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اِس امکان کا دروازہ بند کرنے کے لیے آیت 75 میں سختی کے انداز میں فرمایا گیا:

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

"(اے نبی ﷺ)! اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو ہم آپ ﷺ کو دوگنا مزا چکھاتے دنیا کی زندگی کے عذاب کا اور دوگنا ہی موت کے عذاب کا اور آپ ﷺ ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے"۔

الفاظ کی ظاہری سختی آپ ﷺ کی طرف ہے لیکن اِس سختی کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے۔ اُن کے کان کھولے جا رہے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ سے اِس بات کی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری باتوں میں آکر اللہ کے کلام میں تغیر و تبدل کی جسارت کریں گے۔ یہاں دیکھیے کہ اِس پر فریب مصالحانہ روش کی کس شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور اِس دامِ ہمرنگِ زمین میں کسی داعیٔ حق کے گرفتار ہو جانے کے امکان یا اندیشے کا کس شدّ و مدّ اور کتنے اہتمام کے ساتھ سدِّباب کیا گیا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اِس شعر میں بڑی حکیمانہ بات بیان کی گئی ہے۔ باطل کا وجود اپنے بل پر قائم رہ ہی نہیں سکتا لہٰذا وہ مجبور ہوتا ہے کہ وہ خود کو قائم رکھنے کے لیے حق کا کوئی سہارا لے۔ اِس کے برعکس حق بذاتِ خود کھڑا ہوتا ہے اور اُسے باطل سے کسی سمجھوتہ کی ضرورت نہیں۔

- وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا سے مراد یہ ہے کہ اے نبی ﷺ سمجھ لیجیے کہ آپ ﷺ کو پناہ اور نصرت و تائید تو بس اللہ ہی کے ہاں ملے گی۔ آپ ﷺ کبھی بھی ظاہری اَسباب کی طرف نہ

متوجہ ہوں اور نہ ہی اِن سے متأثر ہوں۔ قرآنِ حکیم میں آپ ﷺ کو بار بار تلقین کی گئی کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرکے اُسی کے ہو جایئے:

وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۞ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۞ (المزمل 73: 9-8)

"اور (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُسی کے ہو جایئے۔ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اُسی کو اپنا کارساز بنالیجئے"۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ (النساء 4: 81)

"تو (اے نبی ﷺ) اِن (منافقین) کو چھوڑیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے"۔

وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ (الاحزاب 33: 48)

"اور (اے نبی ﷺ) اِن (مخالفین) کی طرف سے تکالیف کا خیال نہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے"۔

آیت 28:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ ۔۔۔ اور روکے رکھیے اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام ۔۔۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔۔۔ جو اُس کی رضا کے طلب گار ہیں ۔۔۔ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ ۔۔۔ اور آپ ﷺ کی نگاہیں اِن سے نہ ہٹیں ۔۔۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ۔۔۔ (کیا) آپ ﷺ دنیوی زندگی کی زینت کے طالب ہیں؟ ۔۔۔ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ۔۔۔ اور مت کہنا مانیے اُس کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ۔۔۔ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔۔۔ اور جو پیروی کر رہا ہے اپنی خواہشِ نفس کی ۔۔۔ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۞ ۔۔۔ اور اُس کا معاملہ حدود سے تجاوز پر مبنی ہے۔

- اِس آیت کا ابتدائی حصہ ہے وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ آیت کے اِس حصہ میں سردارانِ قریش کے ایک مطالبہ کا رد

ہے۔ سردارانِ قریش اِس بات پر معترض تھے کہ آپ ﷺ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقہ سے ہیں، اُن کی موجودگی میں ہم آپ ﷺ کی محفل میں کیسے آسکتے ہیں؟ آپ ﷺ اُن کو اپنے پاس سے ہٹایئے۔ آپ ﷺ درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر ان سرداروں کی اُس وقت پذیرائی فرماتے جب وہ آپ ﷺ کے پاس مصالحانہ گفتگو کے لیے آتے:

i. آپ ﷺ جانتے تھے کہ اگر اِن میں سے کوئی ایمان لے آیا تو اِس سے اِسلام کے لیے راستے کھل جائیں گے کیونکہ بہت سے لوگ اِن کے تابع ہیں اور اِن کے خوف یا مرعوبیت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

ii. یہی لوگ ہیں جو کمزور اہلِ ایمان کو ستاتے ہیں۔ اِن کا ایمان لانا، اہلِ ایمان کے لیے سہولت کا باعث ہو گا۔

iii. خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا[1] "اُن میں سے جو جاہلیت میں آگے تھے وہ اِسلام میں بھی آگے ہوں گے جب کہ وہ دین کی تعلیمات سمجھ لیں"۔ کے مصداق اِس طبقہ میں ایک خود اعتمادی اور قائدانہ صلاحیت ہوتی ہے اور یہ لوگ ڈٹ کر اُس نظریہ کی تبلیغ کرتے ہیں جسے قبول کرلیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تھی اور اُن کے قبولِ اِسلام سے واقعی مکہ میں اِسلام کی دعوت کا کام آسان ہوا اور اہلِ ایمان کو بھی دنیوی اعتبار سے سہارا ملا۔

iv. غلبۂ دین کے لیے کام کرنے والی تحریک کے اوّلین مخاطب معاشرے کے بالا دست طبقات ہوتے ہیں۔ انہی کے ہاتھ میں نظام کی باگ ڈور ہوتی ہے اور پھر وہ انقلاب کے بعد متبادل نظام کو چلانے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اِسی طبقہ میں سے تھے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے بعد نظامِ خلافت کو بڑی عمدگی سے مستحکم کیا اور اِس کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کیا۔

---

(1) صحیح البخاری، کتاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى {وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا}، صحیح مسلم، کتاب الْفَضَائِلِ، باب مِنْ فَضَائِلِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ... عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

۷. اِن وجوہات کی بنیاد پر جب یہ سردارانِ قریش آتے، تو آپ ﷺ اِن کی طرف خاص توجہ فرماتے۔ یہاں متوجہ کیا گیا کہ اے نبی ﷺ آپ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان لے آئیں تاکہ مسلمانوں کے لیے آسانی ہو جائے، لیکن اِن کی جانب آپ ﷺ کی یہ غیر معمولی توجہ اُن فقراء کی حق تلفی کا باعث نہ بنے جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں اور اپنی تربیت کے لیے آپ ﷺ کی توجہات کے مستحق ہیں۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ میں لفظ 'صبر' کو نوٹ کیجیے جو منتخب نصاب کے اِس حصے کا اصل موضوع ہے جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے۔ صبر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اے نبی ﷺ آپ اِن فقراء اور ضعفاء کو اپنی صحبت کا فیض عطا فرمائیں جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت ہیں لیکن ایمان لا چکے ہیں۔ اگرچہ دنیوی مال و اسباب اِن کے پاس نہیں ہے، لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، صرف اُسی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور صرف اُس کی رضا کے طالب ہیں۔

اِسی پس منظر میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ گرفت بھی ہوئی۔ ایک نابینا صحابی عبد اللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ ایک بار ایسے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بار بار آپ ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے جس پر آپ ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے[1]۔ سورۃ عبس 80 کے آغاز میں اِسی واقعہ کا ذکر ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَ هُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾ (عبس 80: 1 12)

"اُنہوں نے تیوری چڑھائی اور رُخ پھیر لیا کہ اُن کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور آپ ﷺ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت اخذ کرتا تو وہ نصیحت اِس کے لیے فائدہ بخش ہوتی۔ اور وہ کہ جو بے پروائی اختیار کرتا ہے تو آپ ﷺ اُس کے

(۱) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب و من سورۃ عبس ... عن عائشۃ رضی اللہ عنہا

پیچھے پڑتے ہیں اور جو چل کر آتا ہے اور جس کے دل میں خوف ہے تو آپ ﷺ اُس سے اعراض کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! یہ تو بس ایک یاد دہانی ہے، تو جو چاہے اِس سے نصیحت حاصل کرے"۔

یہ معاملہ ہر رسول کے دور میں پیش آیا کہ اُن رسول پر ایمان لانے میں سبقت فقراء نے کی اور سردارانِ قوم نے اِن فقراء کا مذاق اڑایا۔ اِنہی فقراء کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام سے اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا کہ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ (هود[11]: 27) "اے نوح علیہ السلام! تم پر ایمان لانے والے سرسری نگاہ میں ہمارے معاشرے کے گھٹیا لوگ ہیں"۔ یہ مضمون بڑی وضاحت سے سورۃ الانعام[6] آیات 52-54 میں بیان ہوا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور (اے نبی ﷺ) نہ دور کیجیے (اپنے پاس سے) اُن کو جو صبح و شام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں، اُسی کی رضا کے طالب ہیں، اُن کے حسابِ (اعمال) کی جوابدہی آپ ﷺ پر نہیں اور آپ ﷺ کے حساب کی جوابدہی اُن پر نہیں پس اگر (بالفرض) آپ ﷺ نے اُن کو دور کیا تو آپ ﷺ عدل نہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اِسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ اور کیا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ اور (اے نبی ﷺ) جب آپ ﷺ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لے آئے ہیں تو آپ ﷺ فرما دیجیے تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، اگر تم میں سے کوئی نادانی میں کوئی برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو بے شک وہ (اللہ) بہت بخشنے، رحم فرمانے والا ہے"۔

- آگے فرمایا وَ لَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا۔ آپ ﷺ کی نگاہیں اِن درویشوں سے ہٹ کر اُن سردارانِ قریش کی جانب متوجہ نہ ہونے پائیں۔ اگر آپ ﷺ کی توجہ کا رُخ اِن فقراء کے مقابلہ میں سردارانِ قریش کی طرف زیادہ ہو گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ شاید آپ ﷺ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے ہیں۔ سورۃ الکھف[18] کا موضوع ہے دنیا پرستی کی مذمت۔ یہ بھی دنیا پرستی کا مظہر ہے کہ کوئی شخص تعلقات اُستوار کرنے کے لیے جاہ و منصب اور مال و دولت کو سیرت و کردار پر ترجیح دے۔
- آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا: وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا۔ آیت کے اِس حصہ میں آپ ﷺ کو سردارانِ قریش کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کسی داعیٔ حق کے لیے مصالحت کی پیشکش کا یہ جال انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں براہِ راست مقابلہ یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی داعی اِس جال میں پھنس جائے تو اُس کی منزل کھوٹی ہو جاتی ہے۔

مکہ میں جو حالات تھے اُن کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ کے لیے مصالحت کی پیشکش سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ مکہ میں پورے دس سال آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طنز کے تیر اور تشدد کے وار برداشت کیے تھے۔ پھر آپ ﷺ بڑی امیدوں کے ساتھ طائف گئے کہ شاید کام کا کوئی راستہ کھلے لیکن وہاں تو آپ ﷺ کے لیے آزمائش کا معاملہ نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ طائف پہنچ کر آپ ﷺ نے وہاں کے تین بڑے سرداروں سے ملاقات کی لیکن ہر طرف سے انتہائی دل توڑ دینے والا جواب ملا۔ چند روز آپ ﷺ نے وہاں کے عام لوگوں کو دعوت دی لیکن اُن کا ردِعمل بھی مایوس کن تھا۔ پھر سرداروں نے کچھ اوباش چھوکرے آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیے جنہوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، فقرے چست کیے، پتھر برسا کر جسمِ مبارک لہولہان کر دیا اور خاص طور پر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا۔ خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں آ کر جم گیا۔ طائف سے واپسی پر ایک جگہ آپ ﷺ آرام کے خیال سے ذرا بیٹھے تو اِس وقت آپ ﷺ کی زبان پر جو دُعا آئی اُس نے یقیناً عرش کو ہلا کر رکھ دیا ہو گا:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ، وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ، اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ اِلٰى بَعِيْدٍ يَّتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ؟ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ، وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ، اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِيْ غَضَبَكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ (۱)

"بار الٰہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں؟ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اُس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں"۔

طائف سے واپس جب آپ ﷺ مکہ پہنچے تو حالات اتنے مخدوش تھے کہ مکہ میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو میں مکہ میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے، میں آپ ﷺ کو حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ اِس طرح نہیں، تم خود آؤ اور مجھے لے کر جاؤ۔ حالات اِس درجہ ناموافق اور نامساعد ہو چکے ہیں کہ مطعم بن عدی اپنے بیٹوں کو لے کر ہتھیار لگا کر آتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ (۲)

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن هشام، کتاب ذِكْرِ الْإِسْرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ، باب تَوَجُّهُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى رَبِّهِ بِالشَّكْوٰى

(۲) السیرۃ النبویۃ لابن هشام، کتاب حَدِيْثُ نَقْضِ الصَّحِيْفَةِ، باب كَيْفَ أَجَارَ الْمُطْعِمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ ہیں وہ حالات کہ جن کی وجہ سے اِس کا امکان تھا کہ آپ ﷺ قریش کی مصالحت کی پیشکش کو قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتے۔ سورۃ الکھف[18] کی اِس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ یہ جو مصالحت کے لیے سردارانِ قریش آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں اِن کے اصل کردار کو دیکھیے۔ یہ حق کو پہچاننے کے بعد اُس سے اعراض کر رہے ہیں۔ اِن کے کہنے میں نہ آیئے۔ یہ لوگ خواہشاتِ نفس کا اتباع کر رہے ہیں اور ہماری یاد سے اِن کے دل غافل ہیں۔ اِن کی پوری زندگی ثبوت ہے اِس بات کا کہ یہ حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔

سردارانِ قریش کے جس مطالبہ کو رد کرنے کا یہاں حکم دیا جارہا ہے وہ یہ تھا کہ ایک سال تک محمد ﷺ قریش کے معبودوں کی عبادت کریں تو پھر اگلے سال قریش صرف اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر قریش کی اِس پیشکش کو سختی کے ساتھ مسترد کرنے کا بیان ہے:

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ (الانعام[6] : 56)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ بے شک مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اُن کی جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، (بالفرض) ایسا کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہوں گا"۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (یونس[10] : 104-106)

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ لوگو! اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں ہو

جاؤں ایمان لانے والوں میں سے۔ اور یہ کہ (اے نبی ﷺ! سب سے) یکسو ہو کر دین (اسلام) کی پیروی کیجیے اور مشرکوں میں سے ہر گز نہ ہوں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کو نہ پکاریں جو نہ آپ ﷺ کو فائدہ پہنچا سکیں نہ نقصان اور اگر (بالفرض) ایسا کیا تو آپ ﷺ ہو جائیں گے عدل نہ کرنے والوں میں سے"۔

وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ (القصص 28 : 86-88)

"اور آپ ﷺ کو امید نہ تھی کہ آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر یہ آپ ﷺ کے رب کی رحمت ہے، تو آپ ﷺ ہر گز کافروں کے ساتھی نہ بنیں اور وہ آپ ﷺ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں بعد اس کے کہ وہ آپ ﷺ پر نازل ہو چکی ہیں اور اپنے رب کو پکارتے رہیے اور نہ ہو جایئے مشرکوں میں سے اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کی (پاک) ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ حکم اُسی کا ہے۔ اور اُسی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے"۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ (الزمر 39 : 64-66)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اے نادانو! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کرنے لگوں؟ اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کی طرف اور اُن (پیغمبروں) کی طرف جو آپ ﷺ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر (بالفرض) آپ ﷺ نے شرک کیا تو آپ ﷺ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ ﷺ ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں سے۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کیجیے اور ہو جایئے شکر گزاروں میں سے"۔

بالآخر اِن ساری مصالحتی کوششوں کو سورۂ کافرون میں دوٹوک الفاظ کے ذریعہ سردارانِ قریش کے منہ پر مار کر اُن سے اعلانِ برأت کر دیا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَ
لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

"(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کروں گا اُن کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں اُن کی جن کی تم نے عبادت کی اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین"۔

آیت 29:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۔۔۔ اور (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ یہ سراسر حق ہے تمہارے رب کی طرف سے ۔۔۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔۔۔ توجو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے ۔۔۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۔۔۔ ہم نے تیار کی ہے اِن ظالموں کے لیے ایک بڑی آگ، جس کی قناتیں اُنہیں گھیر لیں گی ۔۔۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا ۔۔۔ اور اگر یہ فریاد کریں گے ۔۔۔ يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۔۔۔ تواِن کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو کھولتے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا، جو جھلس کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو ۔۔۔ بِئْسَ الشَّرَابُ ۔۔۔ بہت ہی بری ہو گی وہ پینے کی چیز ۔۔۔ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ۔۔۔ اور بہت ہی برا ہو گا وہ انجام جس سے وہ دوچار ہوں گے۔

- اِس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو تلقین کی جارہی ہے کہ سردارانِ قریش کے لیے دعوت کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اُن کو اہمیت دیتے ہوئے اِس احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے کہ دعوت کا وقار مجروح نہ ہو۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ سے مراد یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! اِن سے ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجیے کہ مجھے تمہاری کوئی خوشامد نہیں کرنی، یہ تمہارے رب کی جانب سے حق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔۔۔ توجو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔ داعیٔ حق کے لیے یہ باوقار انداز برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ اِس مغالطہ میں مبتلا نہ ہوں کہ اِس کی کوئی ذاتی غرض اِس دعوت کے ساتھ وابستہ ہے۔

- آیت کے اگلے حصہ میں غیظ و غضب کے انداز میں کفار کے انجام کا ذکر ہے۔ اللہ فرمار ہے ہیں کہ ہم نے اِن ظالموں کے لیے آگ اور کھولتا ہوا پانی تیار کر رکھا ہے۔ آگ اِن کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لے گی جیسے کسی شامیانے کی قناتیں ہوتی ہیں۔ جب یہ چیخیں گے تو اِن کی فریاد رسی، پگھلے ہوئے تانبے کی مانند کھولتے ہوئے پانی سے کی جائے گی، جو اُن کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔

ہجرت کا مرحلہ

قریش کو سودے بازی کی پیشکش کے جواب میں جب صاف کھرا جواب دے دیا گیا تو اُن کی طرف سے آپ ﷺ کے خلاف فیصلہ کن اقدام کرنے کی سازشیں شروع ہو گئیں:

وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (الانفال 8 : 30)

"اور (اے نبی ﷺ یاد کیجیے) جب کافر لوگ آپ ﷺ کے بارے میں سازش کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (مکہ سے) جلاوطن کر دیں۔ تو وہ سازش کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے"۔

جو قوم نبی کی جان کی دشمن ہو جائے تو یہ اِس بات کی علامت ہے کہ اب اُس سے کسی خیر کی توقع نہیں۔ لہٰذا اب اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔ اِس کی سبیل یوں ہوئی کہ سن 11 نبوی میں مدینہ کے 6 افراد نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ یہ افراد مدینہ سے حج کے لیے آئے تھے۔ اِن کے سامنے جب آپ ﷺ نے دعوت رکھی تو اُنہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے سے یہ بات کی کہ یہودی جس نبی کی آمد کی پیشن گوئی کرتے ہیں، شاید یہ وہی نبی ہیں۔ آؤ ہم یہود سے پہلے ہی اِن پر ایمان لے آئیں۔ اِن افراد کا تعلق مدینہ میں آباد عرب قبائل اوس اور خزرج سے تھا۔ مدینہ میں تین یہودی قبائل بھی آباد تھے جو اِن عربوں کو آخری نبی ﷺ کی آمد کی اطلاع دیا کرتے تھے۔

ایمان لانے والے 6 ساتھیوں نے مدینہ جا کر دعوت کا کام کیا اور اگلے سال سن 12 نبوی ﷺ میں 12 افراد مدینہ سے آکر ایمان لے آئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن سے بیعت لی جسے بیعتِ عقبہ اُولیٰ

کہا جاتا ہے۔ اُنہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں قرآن سکھانے والا ایک ساتھی فراہم کردیں۔ آپ ﷺ نے اِس عظیم کام کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

یہاں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا شخصی تعارف کرا دینا بہت مناسب ہوگا۔ یہ ایمان اُس وقت لائے جب ابھی بالکل نوعمر تھے۔ بڑے ہی ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔ اُن کے لیے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ نہایت قیمتی اور معطر لباس میں ملبوس رہتے، جہاں سے گزرتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ جب ایمان لائے تو گھر والوں نے سب کچھ چھین کر بالکل برہنہ حالت میں گھر سے نکال دیا۔ اب یہ نوجوان ہر شے سے کٹ کر آپ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ تربیت محمدی ﷺ سے فیض پاتا ہے، نورِ قرآن سے سرفراز ہوتا ہے اور پھر معلم قرآن بنا کر مدینہ بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ اُن کی محنت کا ثمر تھا کہ اگلے سال سن 13 نبوی میں حج کے موقع پر 72 مرد اور 3 خواتین نے مدینہ سے آکر اِسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ﷺ نے اِس موقع پر اُن سے جو بیعت لی اُسے بیعتِ عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اِس بیعت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَعَلٰى أَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ[1]

"عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے کی مشکل اور آسانی میں، دلی آمادگی اور ناگواری میں اور خواہ کسی کو ہم پر ترجیح دے دی جائے اور یہ کہ ہم ذمہ دار حضرات سے نہیں جھگڑیں گے اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے"۔

جماعت سازی کے لیے بیعت ہی وہ واحد اساس ہے جس کا ذکر ہمیں قرآن و سنت میں ملتا ہے۔ پھر ہمارے اسلاف نے بھی جب کوئی اجتماعیت قائم کی تو اُس کی اساس بیعت ہی پر رکھی۔ جماعت سازی کے دوسرے طریقے ہمارے ہاں اکثر و بیشتر مغرب سے درآمد شدہ ہیں۔

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب کیف یبایع الإمام الناس، صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غیر معصیة وتحریمها في المعصیة — عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر اہل مدینہ نے آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ﷺ مدینہ آجائیں، ہم آپ ﷺ کی اِسی طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ ہوا اور ہجرتِ مدینہ کے لیے راہ ہموار ہو گئی۔ اِس کے بعد سورۂ بنی اسرائیل [17] کی آیت 80 میں ہجرت کا حکم ایک دُعا کی صورت میں وارد ہوا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۝

"اور اے نبی ﷺ! اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ اے میرے رب! مجھے داخل کر سچائی کا داخل کرنا اور مجھے نکال سچائی کا نکالنا اور میرے لیے خاص اپنے خزانہ فضل سے وہ غلبہ و قوت عطا فرما جو میری پشت پناہ بنے"۔

اللہ کی طرف سے اِس انداز میں دُعا کی تلقین، دراصل اِس کی پیشگی قبولیت کے اعلان کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک بشارت ہے کہ اب آپ ﷺ کی دعوت ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اب وہ دور آیا چاہتا ہے کہ جس میں وہ سرزمین کہ جو "دار الهجرت" بننے والی ہے، وہاں آپ ﷺ کو اقتدار حاصل ہو گا اور اِس طرح دینِ حق کے غلبے کی راہ ہموار ہو گی۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ صورت ہو جائے گی کہ حق کا بول بالا ہو گا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔ اِس کی بشارت سورۃ بنی اسرائیل [17] کی اگلی آیت میں موجود ہے:

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ (بنی اسرائیل [17]: 81)

"اعلان کر دیجیے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا"۔

ان شاء اللہ! اب اگلے درس سے ہم مدنی دور میں پیش آنے والے صبر کے مراحل کو سمجھنے کا آغاز کریں گے۔

درسِ چہارم:

سورۃ البقرۃ[2] آیات 153 تا 157

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ چہارم سورۃ البقرۃ[2] کی آیات 153 تا 157 کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔
2. اِن آیات کے مضامین کے فہم کے لیے ہمیں سورۃ البقرۃ[2] میں اُس مقام کو سمجھنا ہو گا جہاں یہ آیات آئی ہیں۔ اِس حوالے سے حسبِ ذیل نکات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

i. سورۃ البقرۃ[2] پہلی مدنی سورۃ ہے جو تقریباً دو سال کے عرصہ میں ہجرت کے فوراً بعد اور جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوئی۔ صرف چند آیات مستثنیٰ ہیں مثلاً سود کی حرمت سے متعلق آیات اور قرض کے لین دین سے متعلق اَحکام پر مشتمل طویل آیت جو کہ مدنی دور کے آخری زمانے سے متعلق ہیں، یا پھر آخری دو آیات جن کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ معراج کی شب نبی اکرم ﷺ کو اُمت کے لیے تحفے کے طور پر عطا ہوئیں۔

ii. سورۃ البقرۃ[2] میں 40 رکوع اور 286 آیات ہیں۔ اِس سورۃ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ 18 رکوعوں اور 152 آیات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصے میں 22 رکوع اور

134 آیات ہیں۔ پہلے حصہ میں خطاب کا رخ سابقہ امتِ مسلمہ یعنی بنو اسرائیل کی طرف ہے اور دوسرے حصہ میں خطاب موجودہ اُمتِ مسلمہ یعنی مسلمانوں سے ہے۔

iii. سورۃ البقرۃ[2] کے پہلے حصہ کے 18 رکوعوں میں سے ابتدائی 4 رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ پھر 10 رکوعوں میں بنو اسرائیل سے براہِ راست خطاب ہے۔ اِن رکوعوں میں بنو اسرائیل کو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور وہ بے شمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمائیں۔ پھر ذکر ہے اُن کی طرف سے نعمتوں کی ناقدری اور اُن کی اُس دنیا پرستی کا جس کی وجہ سے اُنہوں نے اللہ کی کتابوں میں تحریف اور احکاماتِ شریعت سے پہلو تہی کی۔ اِس طرح بنو اسرائیل پر ملامت کے انداز میں ایک مفصل فردِ جرم عائد کرنے کے بعد پہلے حصہ کے آخری 4 رکوعوں میں اُمت کے منصب سے بنو اسرائیل کی معزولی اور اِس منصب پر مسلمانوں کو فائز کرنے کا اعلان ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ[2] : 143)

"اور اِسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا کہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر اور رسول ﷺ گواہ بن جائیں تم پر"۔

اِس آیت میں ایک اہم اصطلاح "شہادت علی الناس" وارد ہوئی ہے جس کا مفہوم ہے لوگوں پر اتمامِ حجت کر دینا یعنی قول و عمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی دینے کا اِس طرح حق ادا کرنے کی پوری کوشش کرنا کہ نوعِ انسانی روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز نہ پیش کر سکے۔

iv. مسلمانوں کو امت کے منصب پر فائز کرنے اور اُن کے لیے شہادت علی الناس کی بھاری ذمہ داری بیان کرنے کے بعد اب 19 ویں رکوع سے سورۃ البقرۃ[2] کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اِس حصہ کا آغاز آیات 153 تا 157 سے ہو رہا ہے جن کا بیان ہمارے اِس درس میں شامل ہے۔

3. سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 153 کی اِس اعتبار سے بھی اہمیت ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے قرآنِ حکیم میں مسلمانوں سے باضابطہ خطاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اِس سے قبل سورۃ الفاتحۃ[1] اور سورۃ البقرۃ[2] کے 18 رکوعوں میں مسلمانوں کے لیے ہدایت اور عبرت کے مضامین تو بیان ہوئے ہیں لیکن کوئی باضابطہ خطاب نہیں ہوا۔

آیات پر غور وفکر

آیت 153:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا... اے وہ لوگو جو ایمان لائے!... اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ... مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے... اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۵۳﴾... بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ مدنی قرآن میں بکثرت آئے ہیں لیکن مکی قرآن میں کہیں بھی نہیں آئے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی حیثیت محض ایک انقلابی جماعت (Revolutionary party) کی سی تھی۔ مدینہ میں آکر سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 143 کے ذریعہ مسلمانوں کی بحیثیت اُمتِ مسلمہ باقاعدہ تاج پوشی (Coronation) ہوئی۔ لہٰذا سورۃ البقرۃ[2] کی یہ آیت 153 وہ پہلا مقام ہے جہاں مسلمانوں سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔
- اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ کے الفاظ میں مسلمانوں کے لیے مدنی دور کے آغاز ہی میں ایک پیشگی تنبیہ ہے۔ مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہجرت کے بعد اب تمہاری تکالیف کا دور ختم ہو گیا۔ تم نے ہجرت کی ہے فرار کی راہ اختیار نہیں کی۔ درحقیقت تمہاری جدوجہد اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!

تمہاری یہ دعوت اور تحریک اب ایک ایسے مرحلہ میں آگئی ہے کہ جہاں نظریاتی تصادم اور کشمکش سے آگے بڑھ کر عملی تصادم یعنی قتال کا آغاز کرنا ہو گا۔ مکی دور میں تم صبر محض (Passive Resistance) کے مرحلہ میں تھے جہاں برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا حکم

تھا۔اب تم اقدام (Active Resistance) کے مرحلہ میں داخل ہو گئے ہو۔ اب صرف جھیلنے اور برداشت کرنے کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر باطل پر حملہ آور ہونے اور دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آرہا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ آنے والا دور ہرگز کوئی آسائشوں اور آرام کا دور نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے نئی اور زیادہ کٹھن آزمائشوں کے دروازے کھل رہے ہیں۔ ان آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کے لیے صبر واستقامت اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

- استعانت کا مفہوم ہے مدد چاہنا یا قوت حاصل کرنا۔اِس حوالے سے تین سوالات اہم ہیں۔ ایک یہ کہ استعانت کس سے طلب کی جائے؟، دوسرا یہ کہ کس کام کے لیے اِس کی ضرورت ہے؟اور تیسرا یہ کہ اِس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں؟پہلے سوال کا جواب سورۃ الفاتحۃ[1] آیت 4 میں دیا گیا کہ:

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ

"(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے"۔

دوسرے سوال کا جواب سورۃ البقرۃ[2] آیت 143 میں دیا گیا کہ استعانت کی ضرورت ہے شہادت علی الناس کی کٹھن ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے۔ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کی بھاری ذمہ داری پہلے رسولوں پر تھی اور اب کارِ رسالت کا یہ بوجھ اُمت کے کاندھوں پر آگیا ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول و عمل اور غلبہ ٔ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کے سامنے دینِ حق کی گواہی دینے کا فریضہ ادا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے غلط سیرت و کردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ استعانت کے حوالے سے تیسرے سوال کا جواب سورۃ البقرۃ کی اِس آیت 153 میں دیا جارہا ہے کہ شہادت علی الناس کی اہم ذمہ داری ادا کرنے کے لیے قوت حاصل کرو صبر و ثبات اور نماز سے۔

- کٹھن مراحل میں اللہ کی مدد کے حصول کے ذرائع ہیں نماز اور صبر۔اِس سے پہلے سورۃ العنکبوت[29] کی آیت 45 میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں کہ مشکلات کے دوران انسان کا بڑا سہارا نماز ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

"(اے نبی ﷺ) تلاوت کیجیے اُس کی جو وحی کیا گیا ہے آپ ﷺ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کیجیے، یقیناً نماز برائی سے اور بے حیائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے"۔

نماز کی غرض وغایت اللہ کی یاد اور اُس کے ساتھ تعلق کو زندہ کرنا اور مضبوط رکھنا ہے۔ ایک مومن کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے اللہ کی رضا کا حصول۔ اُس کی ساری دینی سرگرمیاں اِسی کی خاطر ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے وابستگی جس قدر گہری ہوگی، اُسی قدر مشکلات کو برداشت کرنے اور مصائب جھیلنے کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ انسان نتائج کی پرواہ کیے بغیر محنت کرتا رہے گا۔ نماز، خصوصاً نوافل کا اہتمام، اِس نصب العین کے ساتھ وابستگی کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران استقامت اور کامیابی کا انحصار اسباب پر نہیں اللہ کی مدد پر ہوتا ہے۔سورۃ آلِ عمران[3] آیت 160 میں فرمایا گیا:

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کرسکے گا۔ اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں"۔

اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اللہ سے خصوصی تعلق قائم کرکے جس کی بہترین صورت ہے نماز۔ فرض نماز کے علاوہ نوافل کا اہتمام اِس لیے ضروری ہے کہ اِن میں انسان سکون سے

طویل قیام و سجود اور اللہ سے مناجات کر سکتا ہے۔ فرض نماز میں تو امام صاحب کی اقتداء کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ نوافل میں بھی زیادہ اہمیت ہے رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجد کی ادائیگی کی۔ اِس وقت اللہ تعالیٰ کی خاص تجلّیات کا ظہور سماءِ دنیا پر ہوتا ہے اور اللہ پکارتا ہے:

هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ (1)

"ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اُس کی دعا پوری کروں، ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اُس کو عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اُس کو بخش دوں"۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

- کٹھن مراحل میں اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ ہے صبر۔ یہاں صبر سے مراد ہے استقامت۔ بلاشبہ کسی بھی کام کے لیے کامیابی کی کنجی استقامت ہے۔ کسی بھی مشن کی ابتداء میں کچھ مشکلات سامنے آتی ہیں لیکن جب انسان اُس مشن کی خاطر ڈٹ جائے تو پھر اللہ کی مدد آجاتی ہے۔ اِسی لیے آیت کے آخر میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے!) یہاں ساتھ سے مراد ہے نصرت کیونکہ ویسے تو اللہ ہر انسان کے ساتھ ہے۔ سورۃ الحدید[57] آیت 4 میں فرمایا گیا هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے)۔ اِس طرح کے الفاظ میں اللہ کے عمومی ساتھ کا ذکر ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ البتہ اللہ کا خصوصی ساتھ اُن کے لیے ہے جو دین کی راہ میں یکسو ہو کر آئیں اور ڈٹ کر اِس راہ کی مشکلات کو برداشت کریں۔ اللہ کی یہ نصرت اُن کے لیے نہیں جن میں مصائب جھیلنے اور مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں، جو تھڑدلے، بزدل اور کم ہمت لوگ ہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہے کہ دنیا کو بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، یہاں کی لذات سے کنارہ کشی بھی کسی درجے میں گوارا نہیں ہے، مال و اولاد کی محبتیں بھی دل کے اندر گہری

(1) صحیح مسلم، کتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب التَّرْغِيبِ فِي الدُّعَاءِ وَالذِّكْرِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَالْإِجَابَةِ فِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

موجود ہیں اور اِس کے ساتھ ساتھ کچھ دین کی طرف بھی رغبت ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اللہ کی مدد تو اُنہی لوگوں کے شاملِ حال ہوتی ہے جو "ہر چہ باداباد- ما کشتی در آب انداختیم" (اب جو ہو سو ہو، ہم نے تو اپنی کشتی دریا میں ڈال دی ہے) کے جذبہ کے ساتھ آئیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ کی توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ العنکبوت[29] کی آخری آیت بھی ہم پڑھ آئے ہیں کہ:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے ہم ضرور اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔"

آیت 154:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ ... اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں! ... بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ... بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اِس کا شعور نہیں۔

- اِس آیت میں انتہائی اہم حقیقت بیان کی گئی ہے جس کی زیادہ وضاحت آئی ہے سورۃ آلِ عمران[3] آیات 169 تا 171 میں:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اور ہرگز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خوش ہیں اُس (انعام و اکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں اپنے بعد والوں میں سے اُن لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی اِن کے ساتھ شامل نہیں ہوئے، کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہیں اللہ کے انعام اور اُس کے فضل پر اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔

اِس آیت کی وضاحت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ:

إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا قَالُوا أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا قَالُوا يَا رَبِّ نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا[1]

"ہم نے اِس آیت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شہدا کی روحیں جنت میں سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں ہوں گی۔ اُن کے گھر قندیلوں کی طرح ہوں گے جو عرش سے لٹکی ہوں گی۔ وہ جنت میں سیر کریں گے جہاں چاہیں گے۔ پھر اپنی قندیل میں آکر بیٹھ جائیں گے۔ اُن کا رب پوچھے گا تمہیں کسی شے کی خواہش ہے۔ وہ کہیں گے ہمیں کس شے کی خواہش ہو؟ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اُن کا رب اُن سے تین بار پوچھے گا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ انہیں بغیر پوچھے چھوڑا نہیں جائے گا تو وہ کہیں گے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو دوبارہ ہمارے جسموں میں ڈال کر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل ہوں۔ اِس کے بعد اُن سے کسی شے کی خواہش کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا"۔

- قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے کہ شہداء کو اُن کی شہادت کے فوراً بعد جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے یعنی اُن کے لیے برزخ کا مرحلہ جنت میں طے ہوتا ہے۔

سورۃ یٰسٓ 36 میں اللہ کے ایک نیک بندے کے بارے میں الفاظ آتے ہیں:

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ (یٰس 36: 26، 27)

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب بیان أنّ أرواح الشهداء في الجنّة وأنّهم أحياء عند ربّهم يرزقون، عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه

" حکم ہوا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، اُس نے کہا کاش میری قوم کو خبر ہو کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور کر دیا عزت والوں میں سے "۔

سورۃ محمد 47 ﷺ کی آیات 4 تا 6 میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ آیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝

" اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (بلکہ) اُن کو سیدھے رستے (جنت کی طرف) چلائے گا اور اُن کی حالت درست کر دے گا اور اُن کو داخل کرے گا جنت میں جس سے اُنہیں شناسا کر رکھا ہے "۔

- اللہ کی راہ میں شہادت کی اہمیت درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے بھی واضح ہوتی ہے:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوتُ لَهُ عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدَ لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرَى (۱)

"جس بندہ کے لیے اللہ کے پاس کچھ بھلائی ہے وہ مر جانے کے بعد یہ نہیں چاہتا کہ دنیا کی طرف لوٹ آئے چاہے اسے دنیا کی ہر چیز دے دی جائے۔ مگر شہید بوجہ اس کے کہ وہ شہادت کی فضیلت دیکھتا ہے لہٰذا وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹ کر آئے اور دوبارہ پھر قتل کیا جائے"۔

نبی اکرم ﷺ خود بھی اللہ کی راہ میں شہادت کی تمنا فرمایا کرتے تھے:

لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ (۲)

"میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جاؤں"۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الحور العين وصفتهن، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى... عن أنس بن مالك رضي الله عنه

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب تمني الشهادة... عن أبي هريرة رضي الله عنه

ہر مسلمان کو خلوص کے ساتھ اللہ سے شہادت کی موت طلب کرنی چاہیے۔ خلوص کی علامت یہ ہے کہ غلبہ دین کی جدوجہد میں فعال طریقہ سے شریک ہو کر کوشش کی جائے کہ یہ جدوجہد تصادم کے مرحلے تک پہنچے تاکہ شہادت کا رتبہ حاصل کرنے کا امکان پیدا ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ (1)

"جس نے سچی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی، اللہ تعالیٰ اُس کو شہداء کے مقامات میں پہنچادیں گے۔ خواہ وہ بستر پر فوت ہو"۔

اللہ ہی کے رستے میں موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے

- اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کے لیے معروف اصطلاح 'شہید' کی ہے۔ یہ اصطلاح قرآنِ حکیم میں اگرچہ کئی بار آئی ہے لیکن قرآن مقتول فی سبیل اللہ کے لیے لفظ 'شہید' استعمال نہیں کرتا۔ اِس میں استثناء صرف سورۃ آلِ عمران[3] کی آیت 140 ہے جس میں وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (اور تاکہ وہ تم میں سے کچھ کو مرتبۂ شہادت پر فائز کرے) میں لفظ 'شُهَدَآءَ' کو مقتولین فی سبیل اللہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ دیگر تمام مقامات پر مقتول فی سبیل اللہ کے لیے اِس لفظ کا استعمال ہمیں قرآنِ حکیم میں نہیں ملتا۔ تاہم احادیثِ مبارکہ میں مقتول فی سبیل اللہ کے لیے لفظ شہید کا استعمال بھی مل جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں لفظ شہادت کا استعمال اصلاً دینِ حق کی گواہی دینے کے لیے ہے۔ اللہ کی توحید کی گواہی، محمد ﷺ کی صداقت اور رسالت کی گواہی، آخرت کے حق ہونے کی گواہی اور قرآن کی حقانیت کی گواہی۔ یہ گواہی صرف اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی دینی ہے۔ یہ ہے ہر مسلمان کی ذمہ داری اور اِس کے لیے قرآنِ حکیم کی اصطلاح ہے "'شہادت علی الناس"۔ شہادت کی اِس ذمہ داری کا اللہ کی راہ میں جان دینے سے گہرا معنوی تعلق ہے۔ جس

(1) صحیح مسلم، کتاب الْإِمَارَةِ، باب اسْتِحْبَابِ طَلَبِ الشَّهَادَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى ... عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ

شخص نے حق کے غلبہ کی جدوجہد کے دوران اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کردی، اُس نے گویا کہ آخری درجہ میں یعنی دین کی خاطر اپنی زندگی قربان کر کے دینِ حق کی شہادت دے دی۔ لہٰذا اب ایسا شخص شہید (گواہ) کہلانے کا بتمام و کمال مستحق ہو گیا۔

- اِس آیت میں شہداء کی برزخی زندگی کے بارے میں وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے الفاظ میں ہمارے لیے بڑی اہم رہنمائی پوشیدہ ہے۔ شہداء کو اللہ برزخ میں جس طرح کی حیات عطا فرماتا ہے اور جس طور سے انہیں رزق مہیّا فرماتا ہے، اِسے سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ بدقسمتی سے برزخی زندگی کے حوالے سے مسلمانوں میں ایک مذہبی بحث نے بڑی شدّت اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کی حیات کی کیا نوعیت ہے؟

قرآن و حدیث کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے کہ موت مومن یا کافر کے لیے خاتمہ کا نام نہیں ہے۔ ادھر آنکھ بند ہوتی ہے تو دوسرے عالم میں کھل جاتی ہے۔ یہ عالمِ برزخ ہے جس کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔ اِس برزخی دور میں ایک نوع کی حیات تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اِس برزخی حیات کا مرحلہ مومنوں اور کافروں کے لیے مختلف کیفیات کے ساتھ ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ:

إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ [1]

"قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا"۔

قبر سے مراد مٹی کا وہ ڈھیر نہیں جس کے نیچے انسان مدفون ہوتا ہے، بلکہ اِس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ چنانچہ خواہ کوئی شخص سمندر میں غرق ہو کر مرا ہو یا مرنے کے بعد اُس کے جسم کو جلا دیا گیا ہو یا کسی جنگلی جانور نے کھا لیا ہو یا کسی قبر میں مدفون ہو، عالمِ برزخ میں وہ ثواب یا عذاب کی کیفیت سے گزرتا ہے۔ ثواب کے اعتبار سے مومنوں کے بھی درجات ہیں اور کافروں کے بھی۔ صالح مومن وہاں کسی اور کیفیت میں ہو گا، شہداء کا کچھ اور حال ہو گا، صِدّیقین کی کچھ اور شان ہو گی اور انبیاء و رُسل کا کچھ اور مرتبہ و مقام ہو گا۔ سیّد المرسلین نبی

(1) سنن الترمذی، کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالرَّقَائِقِ وَالْوَرَعِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَوَانِي الْحَوْضِ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ

اکرم ﷺ عالمِ برزخ میں جس شان میں ہوں گے وہ ہمارے فہم کی حدود سے بہت اوپر ہے۔ جب ہم شہداء کی برزخی زندگی کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے تو نبی اکرم ﷺ کی برزخی حیات کے بارے میں کوئی تصور کرنا ہمارے لیے قطعاً ناممکن ہے۔ اِس معاملہ میں بحث کرنا ہی دراصل اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ کہنا کہ آپ ﷺ بالکل اُسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اِس دنیا میں زندہ تھے، ایک اعتبار سے شاید آپ ﷺ کی توہین قرار پائے۔ دنیا کی زندگی تو بہت سی ضروریات اور کمزوریوں کے ساتھ ہے۔ عالمِ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کو جو حیات حاصل ہے وہ یقیناً اِس سے کہیں اعلیٰ اور ہمارے فہم کی سطح سے بہت بلند و بالا ہے۔

آیت 155:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ ... اور ہم لازماً تمہیں آزمائیں گے ... بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ ... کچھ خوف سے اور بھوک سے ... وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ... اور مال، جان اور ثمرات کے نقصان سے ... وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ... اور اے نبی ﷺ! خوشخبری سنا دیجیے صبر کرنے والوں کو۔

- "بَلَا - یَبْلُوْا" کے معنی ہیں آزمانا، جانچنا یا پرکھنا۔ لَنَبْلُوَنَّكُمْ میں نَبْلُوْ سے پہلے لامِ مفتوح (زبر والا لام) اور آخر میں نون مشدّد آیا ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کا انتہائی اسلوب ہے کہ فعلِ مضارع سے قبل لامِ مفتوح اور آخر میں نونِ مشدّد کا اضافہ کر دیا جائے۔ چنانچہ 'لَنَبْلُوَنَّكُمْ' کا ترجمہ ہو گا "ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں"۔ گویا اللہ کی طرف سے خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ضرور آزمائشوں میں مبتلا کیا جائے گا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تمہیں اللہ، اُس کے رسول ﷺ، آخرت اور دینِ اِسلام کی حقانیت پر کس درجہ میں یقین ہے۔ اللہ کی راہ میں اگر تم آئے ہو تو پوری وفاداری کے ساتھ آئے ہو یا کچھ تحفظات (Reservations) کے ساتھ آئے ہو؟
- اِس آیت میں اُن مصائب کا ذکر ہے جو غلبۂ دین کی جدوجہد کے دوران سامنے آتے ہیں، ورنہ عام مشکلات و مصائب غیر اختیاری طور پر ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ جو مسلمان صرف عقائد، عبادات اور رسومات ہی کی حد تک اِسلام پر عمل پیرا ہیں، اِس آیت کے مضامین اُنہیں غیر متعلق محسوس ہوں گے کیوں کہ محض عبادات و رسومات کی ادائیگی میں اِس طرح آزمائشیں نہیں آتیں۔

- اِس آیت میں لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ کے بعد 'بِشَیۡءٍ' کے لفظ میں تسلی کا پہلو موجود ہے، یعنی ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ امتحان سے۔ بظاہر امتحانات بڑے کٹھن محسوس ہوتے ہیں۔ ایک بار تو انسان دہل کر رہ جاتا ہے، لیکن اگر وہ ثابت قدم رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بظاہر ایک خوفناک صورتِ حال سامنے آتی ہے لیکن اگر انسان ڈٹا رہے تو پتہ چلتا ہے کہ بس ایک ریلا تھا حالات کا، آیا اور گزر گیا۔ دیکھنے والے اِس آزمائش کی ظاہری شدت سے متاثر اور مرعوب ہوں گے لیکن صبر و ثبات کے ساتھ اِس آزمائش سے گزرنے والوں کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے بڑی ہی ہلکی سی کوئی بات تھی کہ جو ہو گئی۔
- یہ آیت مدنی دور کے بالکل آغاز میں نازل ہوئی۔ جب ہم مدنی دور کے دس سالوں میں پیش آنے والے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو اِس آیت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ مدنی دور میں وقفے وقفے سے وہ آزمائشیں سامنے آتی رہیں جن کا نقشہ ایک پیشگی تنبیہ کے طور پر اِن آیات میں کھینچ دیا گیا ہے۔ مدنی دور میں بار بار دشمنوں اور منافقین کی طرف سے خوف و خدشات کے امتحانات بھی آئے، بھوک، پیاس اور فاقہ کشی کی نوبتیں بھی آئیں، مال اور جان کی بازیاں بھی لگانی پڑیں اور ثمرات کا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔
- 'ثَمَرٰتِ' کا لفظ یہاں بہت ہی قابلِ توجہ ہے۔ ثمرات کا عام مفہوم لیا گیا ہے پھل۔ اِس اعتبار سے ترجمہ یہ بنتا ہے کہ پھل ضائع ہو جائیں گے۔ مدینہ منورہ کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں یہ مفہوم بجا طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اہلِ مدینہ بنیادی طور پر کاشتکار تھے یعنی زراعت اُن کا پیشہ تھا۔ زراعت کے میدان میں جو محنت بھی کی جاتی ہے، ہل چلایا جاتا ہے، آبیاری کی جاتی ہے، کھیتی یا درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے، اِس ساری محنت کا ثمر وہ فصل ہے جو آخر میں کاٹی یا اتاری جاتی ہے۔ اگر فصل اجڑ جائے تو نقصان بہت شدید ہوتا ہے اور یہ آزمائش کی ایک کٹھن صورت ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حکم دیا گیا کہ تیار فصلوں کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلو۔ وقت پر فصلیں اتاری نہ جا سکیں اور ضائع ہو گئیں۔

وسیع مفہوم کے اعتبار سے 'ثمرات' انسان کی محنت کا حاصل ہے، خواہ یہ محنت کسی بھی میدان میں ہو۔ کسی نے بڑی محنت کر کے کاروبار جمایا، اب دین کی طرف سے پکار آتی ہے کہ آؤ! اور صاف نظر آرہا ہے کہ دین کی طرف آنے میں کاروبار کا نقصان ہے، تو یہ آزمائش بھی آسان نہیں ہے:

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

وہ محنت سے جمایا ہوا کاروبار، پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے۔ اِسی طرح کسی نوجوان نے بڑا وقت لگا کر اور بڑی محنت سے کسی کیریئر میں اپنا کوئی مقام حاصل کیا ہے۔ زندگی بھر کی محنت کا فائدہ اُٹھانے کا وقت اب نظر آرہا ہے۔ ایسے میں دین کے تقاضے سامنے آتے ہیں۔ دین تقاضا کرتا ہے کہ آؤ اور کھپاؤ اپنے آپ کو اقامتِ دین کی راہ میں! اُس کا کیریئر اور Profession اب راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اولاد بھی انسان کا ثمرہ ہے۔ انسان کو اگر ایک درخت سے تعبیر کیا جائے تو اُس کا پھل اُس کی اولاد ہے۔ نگاہوں کے سامنے اگر اُس کی اولاد اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہو تو گویا یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اُس کا ثمر اُس کی نگاہوں کے سامنے بظاہر اجڑ رہا ہے اور یہ آزمائش کی نہایت کٹھن صورت ہے۔

- بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو) کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ صبر کوئی منفی شے نہیں بلکہ یہ ایک مثبت جذبہ ہے۔ کسی مقصد کی تکمیل کی خاطر یا کسی نصب العین اور منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرنے کی جدوجہد میں جو تکالیف آئیں، اِنہیں ثابت قدمی کے ساتھ جھیلنا اور برداشت کرنا صبر ہے۔ ایسے باہمت لوگوں کو اِس آیت میں بشارتوں کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ اگلی آیت میں اِن صبر کرنے والوں کے ایک نہایت اہم وصف کا ذکر ہے۔

آیت 156:

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ... یہ وہ ہیں کہ جب اِن پر کوئی مصیبت آتی ہے ... قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ ... تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔

- اِس آیت میں فرمایا کہ صبر کرنے والے لوگ وہ ہیں کہ جب بھی کوئی مصیبت اُن پر پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ... "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہم لوٹنے والے

ہیں"۔اِس آیہ مُبارکہ میں دراصل ایک مومن کے تصورِ حیات کی مکمل عکاسی موجود ہے۔اِس تصورِ حیات کے مطابق ہم اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کے پاس واپس لوٹ جانا ہے۔دنیا مسافر خانہ ہے منزل نہیں۔ہماری منزل آخرت ہے۔آخرت میں اچھے انجام کے لیے ہمیں اِس دنیا میں اپنے خالق کی اطاعت کرنی ہے اور اُس کے ہر فیصلہ پر راضی رہنا ہے۔اُسی نے ہمیں حیات دی ہے اور اِس حیات میں بے شمار نعمتیں بھی۔اگر وہ امتحان کے لیے کوئی نعمت ہم سے واپس لے لیتا ہے تو اُس کی مرضی کے آگے ہمارا سر تسلیم خم ہے۔یہاں کی ہر تکلیف عارضی ہے۔اگر ہم صبر کریں گے تو اللہ ہمیں نہ ختم ہونے والے اجر سے نوازے گا۔

- مصیبت پر بے اختیار رونا یا مغموم ہونا صبر کے منافی نہیں۔صبر کے منافی یہ ہے کہ انسان مایوسی کا اظہار کرے یا اللہ سے شکوہ کرے یا ناشکری کے الفاظ زبان سے نکالے۔نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے سیدنا ابراہیم کی وفات کے موقع پر فرمایا:

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ [1]

"بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے،دل غمگین ہے اور ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر بہت غمگین ہیں"۔

آیت 157:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ... یہی ہیں وہ لوگ کہ جن پر اُن کے رب کی جانب سے عنایتیں اور رحمت ہے... وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾ ... اور یہی ہیں وہ لوگ کہ جو منزلِ مراد تک پہنچنے والے ہیں۔

- 'صَلَوَاتٌ' دراصل صلوٰۃ کی جمع ہے۔لغوی اعتبار سے صلوٰۃ کا مفہوم ہے اِقْدَامٌ اِلَی الشَّیْءِ یعنی کسی کی جانب متوجہ ہونا۔نماز کا مقصد ہے اللہ کی طرف رُخ کرنا،لہٰذا اصطلاحی طور پر صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لیے آتا ہے۔اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ درحقیقت ایک دوطرفہ عمل ہے جو

(1) صحیح البخاری،کتاب الجنائز،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنا بک لمحزونون،عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ

اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ بندہ جذبۂ عبودیت کے ساتھ اپنے ربّ کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور پروردگار شفقت و عنایت کے ساتھ بندے کی جانب توجہ فرماتا ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿﴾ (البقرۃ 2 : 152)

"پس تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو!"

اِس کی بڑی عمدہ وضاحت ایک حدیثِ قدسی سے ہوتی ہے:

إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ (1)

"اگر میرا بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر میرا بندہ میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اِس سے بہت اعلیٰ محفل میں اُس کا ذکر کرتا ہوں"۔

اِسی طرح 'نصرت' کا معاملہ بھی دو طرفہ ہے:

- اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد ﷺ 47 : 7)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔

کچھ اِسی طرح کا معاملہ صلوٰۃ کا بھی ہے۔ بندہ اگر اللہ کی طرف متوجّہ ہو گا تو اللہ بھی بندے کی طرف کمالِ شفقت کے ساتھ متوجہ ہو جائے گا۔ یہ مضمون سورۃ الاحزاب 33 میں دو مرتبہ آیا ہے۔ آیت 43 میں تمام اہلِ ایمان کے لیے اور پھر آیت 56 میں خاص طور پر نبی اکرم ﷺ کی شان میں:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

"وہی ہے اللہ جو (اے اہلِ ایمان!) تم پر عنایتیں بھیجتا رہتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تاکہ وہ تمہیں نکالے اندھیروں سے روشنی کی طرف"۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿56﴾

"بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے عنایات بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر۔ اے اہلِ ایمان تم بھی اُن پر درود بھیجو اور سلام جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے"۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، باب الْحَثِّ عَلَى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالَى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

آیت زیرِ درس میں بیان کیا گیا کہ اللہ کی عنایات اور شفقتوں کا نزول اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو مشکلات اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ جنہوں نے دین کو محض موروثی عقائد اور چند رسومات کا مجموعہ سمجھ کر قبول نہیں کیا بلکہ شعوری طور پر حقائق کو سمجھا، دینی ذمہ داریوں کا شعور حاصل کیا اور دین کی دعوت پر لبیک کہا۔ جنہوں نے اِس حقیقت کو جانا کہ دین کے لیے جان و مال کھپانا اور اِس کے غلبے کے لیے قربانیوں کا دینا ہمارے ایمان کا عین تقاضا ہے۔ پھر وہ اِس راہ کے تمام امتحانوں اور آزمائشوں میں پورے اترے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر اُن کے رب کی جانب سے عنایات اور رحمتوں کا مسلسل نزول ہوتا رہے گا۔

- أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (یہی ہیں وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں) کے الفاظ میں حصر کا اسلوب ہے یعنی ہدایت یافتہ صرف یہی لوگ ہیں۔ ہدایت کے مختلف درجات ہوتے ہیں اور ایک انسان درجہ بدرجہ ہدایت کی منزلیں طے کرتا ہے۔ گویا ہدایت ایک مسلسل عمل ہے۔ لفظ ہدایت کا اطلاق اپنے تکمیلی معنوں میں کسی کے منزلِ مراد تک پہنچ جانے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ "یہ ہیں وہ لوگ جو منزلِ مراد تک پہنچ جانے والے ہیں"۔

سورۃ البقرۃ[2] کی اِن آیات 153 تا 157 میں اہلِ ایمان کو مدنی دور کے بالکل آغاز میں آئندہ پیش آنے والے کٹھن مراحل سے پیشگی طور پر خبردار کر دیا گیا اور ساتھ ہی آگاہ کر دیا گیا کہ جو باہمت لوگ اِن مراحل میں ثابت قدم رہیں گے، وہی اللہ کی عنایات اور رحمتوں کے حق دار ہوں گے اور منزلِ مراد تک پہنچ جانے کی سعادت حاصل کریں گے۔ آزمائشوں کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے بعد سورۃ البقرۃ[2] کے اگلے حصے میں مسلمانوں کو ایک مشکل ترین حکم دے دیا گیا یعنی قتال فی سبیل اللہ کا حکم۔

قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ

دینِ اِسلام کے فلسفۂ اخلاق میں اعلیٰ ترین نیکی ہے قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کرنا۔ سورۃ الصّف[61] آیت 4 میں فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿٤﴾

"بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں جم کر صف در صف گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار"۔

کلمہ پڑھ کر ہم نے اللہ سے جو عہد کیا ہے اُس کا عملی تقاضا ہے قتال فی سبیل اللہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (التوبۃ[9] :111)

"اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں (اور اِس کے) عوض میں اُن کیلیے جنت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں"۔

اِس عہد کا تقاضا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے 15 برس تک یہ تیاری کی۔ دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔ نبوت کے ظہور کے 15 برس بعد پھر بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہمیں بھی غور کرنا چاہیے کہ انفرادی زندگی بسر کرنے سے مرحلہ قتال کبھی نہیں آئے گا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہو کر فعال طریقہ سے کام کیا جائے تاکہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ (1)

"جسے موت آئی اِس حال میں کہ اُس نے نہ جنگ کی اور نہ اُس کے دل میں کبھی اِس کی خواہش پیدا ہوئی تو گویا وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا"۔

مکی دور میں مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہ تھی۔ اُنہیں حکم تھا کہ ہر طنز و تشدد کو برداشت کرو اور جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ سورۃ النساء[4] کی آیت 77 میں اِس حکم کا ذکر اِن الفاظ میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

"کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو"۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ذم من مات ولم یغز ولم یحدث نفسہ بالغزو، عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ

طنز و تشدد کے جواب میں اِس طرح کے طرزِ عمل کو صبر محض (Passive Resistance) کہتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران مسلمانوں کو قریش کے خلاف قتال کی اجازت دی گئی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج[22] : 39)

"اجازت دے دی گئی (جنگ کی) اُن کو جن سے (بلا وجہ) لڑائی کی جارہی ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے"۔

اِس کے بعد سورۃ البقرۃ[2] میں اللہ کی طرف سے قتال فی سبیل اللہ کا حکم آگیا:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ (البقرۃ[2] : 190)

"اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑتے رہے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اِس کے بعد تلقین کی گئی کہ قتال کا مرحلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک فتنہ ختم نہ کر دیا جائے اور اللہ کا دین مکمل طور پر غالب کر دیا جائے:

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ (البقرۃ[2] : 193)

"اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام اللہ کے لیے"۔

پھر جنگ کے اِس حکم سے جن لوگوں پر کچھ گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی اُنہیں خبردار کیا گیا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرۃ[2] : 214)

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

آخر کار سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 216 میں قتال کو فرض قرار دے دیا گیا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

"تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو، ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

اِسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر اُس جنگ کا تفصیلاً ذکر آیا ہے جسے بنو اسرائیل کی تاریخ میں جنگِ بدر کے قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ جنگ طالوت اور جالوت کے مابین ہوئی جس کے بعد بنو اسرائیل کا عروج شروع ہوا۔ بنو اسرائیل پر جب جنگ فرض کی گئی تو اُن میں سے کچھ نے بزدلی دکھائی جس پر عبرت کے طور پر وعید اِن الفاظ میں نازل ہوئی:

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾

(البقرۃ 2 : 246)

"جب اُن پر جنگ فرض کی گئی تو پھر گئے سوائے اُن میں سے چند کے اور اللہ ظالموں سے واقف ہے"۔

طالوت کا ساتھ دینے والے اہلِ ایمان، تعداد اور اسباب کے اعتبار سے انتہائی کمزور تھے لیکن اُنہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جالوت کے لشکر کا سامنا کیا اور اللہ کی مدد سے کامیاب ہوئے۔ قرآن نے اِن کی مدح اِس طرح کی:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ

(البقرۃ 2 : 249-251)

"کہا اُن لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ اُنہیں اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت غالب آگئی بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمیں بھرپور استقامت عطا فرما اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ تو اُنہوں (یعنی اہلِ ایمان) نے شکست دی اُن (کافروں) کو اللہ کے حکم سے"۔

اِس سورۂ مبارکہ میں اِس اہم تاریخی واقعہ کا ذکر دراصل مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے ہے کہ اب وہی مرحلہ تمہاری تاریخ میں بھی آیا چاہتا ہے۔ یہ گویا پیشگی خبر تھی غزوۂ بدر کی۔ سن 6 ہجری میں غزوۂ بدر سے قتال فی سبیل اللہ کے سلسلہ کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ سن 9 ہجری میں غزوۂ تبوک تک جاری رہا۔ آئندہ دروس میں ہم اِن غزوات کی تفاصیل آیاتِ قرآنی کی روشنی میں سمجھیں گے۔

درسِ پنجم:

غزوۂ بدر:

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ
بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا
ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ
بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ
كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ پنجم "غزوۂ بدر" کے پس منظر اور تفصیلی حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

2. نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ یا غزوات کا سلسلہ رمضان سن 2 ہجری سے شروع ہو کر اواخر سن 9 ہجری تک جاری رہا۔ اِس طرح یہ سلسلۂ قتال آٹھ سالوں پر محیط ہے۔ اِس دوران میں بہت سے "غزوات و سرایا" ہوئے۔ سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے غزوہ اُس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور "سریہ" (جس کی جمع سرایا ہے) اُس جنگی مہم کو کہتے ہیں کہ جس کے لیے آپ ﷺ نے کوئی دستہ بھیجا لیکن خود اُس میں شمولیت نہ فرمائی۔

3. قرآنِ حکیم میں تمام غزوات کا ذکر نہیں ہے۔ جن غزوات کا ذکر ہے یقیناً اُن کی اہمیت کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ گویا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد اور آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے حوالے سے اہم سنگ ہائے میل (Land Marks) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ غزوات کہ جن کا قرآنِ حکیم میں ذکر ہے اِن میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ بنو نضیر، غزوۂ احزاب، غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک شامل ہیں۔

4. قرآنِ حکیم میں غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ الانفال[8] میں ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۃ ایک انتہائی مربوط خطبے کی حیثیت سے بیک وقت نازل ہوئی، اِس لیے کہ اِس کے اوّل و آخر کے درمیان ایک بڑا گہرا منطقی اور معنوی ربط ہے جسے ہم اِس درس میں سمجھیں گے۔ منتخب نصاب کے دروس میں یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ قرآنِ حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے سات گروپ ہیں۔ اِس سلسلے کے دوسرے گروپ میں چار سورتیں شامل ہیں، دو مکی اور دو مدنی۔ سورۃ الانعام[6] اور سورۃ الاعراف[7] مکی ہیں اور سورۃ الانفال[8] اور سورۃ التوبۃ[9] مدنی۔ سلسلۂ غزوات کی پہلی کڑی یعنی غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ الانفال[8] میں ہے اور اِس سلسلے کی آخری کڑی یعنی غزوۂ تبوک کا تفصیلی ذکر سورۃ التوبۃ[9] میں ہے۔ گویا کہ اِن دونوں سورتوں کو مصحف میں ساتھ رکھ کر سلسلۂ غزوات کے نقطۂ آغاز اور نقطۂ اختتام دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

مرحلۂ قتال کے آغاز کے لیے اقدامات

یہ بات سابقہ درس میں بیان کی جاچکی ہے کہ مدینہ آنے کے بعد سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 216 میں مسلمانوں پر جنگ کا کرنا فرض کر دیا گیا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

"تم پر (اللہ کی راہ میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے خواہ وہ تمہیں ناگوار ہو، ممکن ہے تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی شے کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"۔

قتال کے اِس حکم پر عمل کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں اندرونی استحکام کے لیے کچھ اقدامات فرمائے۔ مدینہ میں اُس وقت پانچ قبائل آباد تھے۔ دو عرب قبائل اوس اور خزرج اور تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو اوس اور خزرج کی اکثریت ایمان لے آئی۔ اِن میں سے کثیر تعداد اُن لوگوں کی تھی جو صدقِ دل سے ایمان لائے تھے، تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن بادلِ ناخواستہ۔ اِن میں سے کچھ ایمان لائے سرداران قبیلہ کے ایمان لانے کی وجہ سے اور کچھ ایمان لائے سچے مومنوں کے ساتھ رشتہ داری یا کاروباری تعلق کی وجہ سے۔ اِن ہی میں سے بعض منافقت کے مرض کا شکار ہوئے۔ یہودی قبائل میں سے سوائے چند افراد کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اُنہیں اِس بات پر حسد تھا کہ آخری نبی ﷺ کی آمد بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں کیوں ہوئی۔ اِن حالات میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے اندرونی استحکام کے لیے تین اقدامات فرمائے جو آپ ﷺ کی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

1. میثاقِ مدینہ کے عنوان سے یہود کے تینوں قبائل سے معاہدات کر لیے اور اُنہیں پابند کر لیا کہ بیرونی حملے کی صورت میں وہ غیر جانبدار رہیں گے یا مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ یہود اِن معاہدوں کی وجہ سے ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شدید جذبات رکھنے کے باوجود کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور خود کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے، ہاں در پردہ سازشیں اُنہوں نے ضرور کیں اور بعض مواقع پر مشرکینِ مکّہ کو اشتعال دلا کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن وہ براہِ راست اور کھلم کھلا نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں نہیں آسکے۔ یہی معاہدے اُن کے پاؤں کی بیڑیاں

بن گئے اور اِنہی معاہدوں کو توڑنے کی پاداش میں وہ تینوں قبیلے باری باری اپنے انجام کو پہنچے۔ اِن میں سے دو قبیلوں کو مختلف مراحل پر مدینہ بدر کیا گیا اور ایک کو تورات کے حکم کے مطابق بدعہدی کی سخت ترین سزا دی گئی کہ اُن کے تمام لڑائی کے قابل مَردوں کے سر قلم کیے گئے۔

2. تاریخ انسانی شاہد ہے کہ مقامی اور مہاجر کا تعصب ہمیشہ فساد کی وجہ بنتا رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اندیشہ محسوس کیا کہ کہیں مدینہ میں بھی اِس تعصب کی وجہ سے انتشار پیدا نہ ہو جائے یا منافقین اِس تعصب کو شر انگیزی کا ذریعہ نہ بنالیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا کر مواخات قائم فرمادی۔ مواخات کا مقصود یہ تھا کہ جاہلی عصبیت تحلیل ہو جائے، حمیت و غیرت جو کچھ ہو وہ اِسلام کے لیے ہو اور نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں۔ باہمی محبت کی بنیاد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار و قربانی کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کیں قرآن نے اِن کا تذکرہ اِس طرح کیا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر 59: 9)

"اور وہ لوگ جو اُن (مہاجرین) سے پہلے گھر آباد کر رہے تھے (مدینہ میں) اور ایمان بسا رہے تھے (دل میں) اور جو لوگ ہجرت کر کے اُن کے پاس آتے ہیں وہ اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کو ملا اِس سے اپنے دل میں کچھ خلش نہیں پاتے اور اُن کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص نفس کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"۔

3. مسجدِ نبوی ﷺ کی صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرکز تعمیر فرمایا۔ مسجدِ نبوی ﷺ محض ایک عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کی تمام اجتماعی سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز تھی۔ یہ مسجد محض ادائے نماز ہی کے لیے نہ تھی بلکہ ایک درس گاہ تھی جس میں مسلمانوں کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام تھا اور جہاں سے تبلیغی وفود روانہ کیے جاتے تھے، ایک پارلیمنٹ تھی جس میں

مختلف مسائل پر مشاورت کے اجلاس ہوتے تھے، ایک انتظام گاہ تھی جہاں سے ننھی سی ریاست کا سارا انظام چلایا جاتا تھا اور جنگی مہمات روانہ کی جاتی تھیں، ایک عدالت تھی جہاں باہمی نزاعات کے فیصلے کیے جاتے تھے اور ایک استقبالیہ تھا جہاں مہمان وفود سے بات چیت ہوتی تھی۔

مدینہ کے اندرونی استحکام کے لیے مذکورہ بالا تین اقدامات کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ کی طرف پیش قدمی کے لیے دو اقدامات کیے:

1. مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد قبائل سے معاہدے کیے کہ وہ قریش کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہیں گے۔ گویا آپ ﷺ نے اِن معاہدات کے ذریعہ قریش کو جنگ کی صورت میں سیاسی و عسکری اعتبار سے تنہا کر دیا۔ جدید اصطلاح میں اِسے کہیں گے Political Isolation of Qurais۔

2. قریش کی شہ رگ یعنی اُن کی تجارت کے خلاف اقدام کے طور پر اُن کے تجارتی قافلوں کے راستوں کی نگرانی کے لیے آٹھ مہمات روانہ کیں۔ گویا قریش کے لیے یہ ایک قسم کی معاشی ناکہ بندی (Economic Blockade) تھی۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل سے اُن کا سامنا ہو گیا۔ ابو جہل نے اُن سے کہا کہ ہمارے بے دین لوگوں کو تم نے پناہ دے رکھی ہے۔ اگر تم نے اُنہیں اپنے ہاں سے نکال باہر نہ کیا تو ہم بیت اللہ میں تمہارا داخلہ بند کر دیں گے۔ اِس کا فوری جواب حضرت سعد نے یہ دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری مدینے کے قریب سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کو بند کر دیں گے۔[1] اِسی طرح کے اقدام کے طور پر یہ آٹھ مہمات بھیجی گئیں جن میں سے چار میں نبی اکرم ﷺ خود بھی شریک ہوئے۔ اِن مہمات کے نام ہیں سریۂ سیف البحر، سریۂ رابغ، سریۂ خرّار، غزوۂ ودّان، غزوۂ بواط، غزوۂ سفوان، غزوۂ ذی العُشَیرَہ اور سریۂ نخلہ۔

---

(1) صحیح البخاری، کتاب المَغَازِی، باب ذِکرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَن یُقتَلُ بِبَدرٍ، عَن سَعدِ بنِ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ

غزوۂ بدر کا سبب

نبی اکرم ﷺ نے قریش کے تجارتی راستوں کی نگرانی کے لیے جو مہمات روانہ کی تھیں اِن میں سے سریہ نخلہ کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں ایک قرشی کافر مارا گیا۔ مکہ والوں کی معاشی ناکہ بندی کرنا درحقیقت پہلے ہی سانپ کو بل سے نکلنے پر مجبور کردینے کے مترادف تھا، اب اِس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ابوجہل اور اُس کے پرجوش ساتھیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کا جواز مل گیا۔ ایک اور معاملہ یہ ہوا کہ ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام جارہا تھا۔ غزوۂ ذی العُشَیرَہ کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ نے اِس قافلہ کو روکنے کی کوشش کی لیکن یہ بچ کر نکل گیا۔ اب جب یہ قافلہ واپس مکہ آرہا تھا تو اِس کے پاس مال واسباب کی کثرت تھی۔ ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دوسو باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا سازوسامان لدا ہوا تھا۔ اِس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔ اِس قافلہ کی واپسی کا پتہ لگانے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا تھا۔ اُنہوں نے جب قافلہ کی واپسی کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آرہا ہے، اِس کو روکنے کے لیے نکل پڑو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اِسے بطورِ غنیمت تمہارے حوالے کردے۔ آپ ﷺ نے نکلنے کو لوگوں کی رغبت پر چھوڑ دیا لہٰذا صرف 313 ساتھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلے جن کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ابوسفیان نے ہنگامی طور پر امداد کے لیے مکہ پیغام بھیجا اور مکہ سے کیل کانٹے سے لیس ہوکر ایک ہزار کا لشکر مدینہ پر حملے کے لیے نکل پڑا۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

بعض دانش وروں اور اہلِ علم نے سیرتِ طیبہ کے دوران غزوات کے معاملے میں معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے کہ یہ تمام غزوات دفاعی نوعیت کے تھے، اِسلام اپنے غلبے کے لیے جنگ اور خون ریزی کے راستے کو اختیار نہیں کرتا۔ یہ الزام ہم پر بڑی شدت سے مغرب نے لگایا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا اور طعنہ دیا "بوئے خوں آتی ہے اِس قوم کے افسانوں سے"۔ ردِّ عمل کے طور پر ہمارے ہاں ایک نہایت معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا گیا۔ یہ انداز بالخصوص اُن طبقات نے

اختیار کیا جو مغرب کی مادّی اور سائنسی ترقی سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کی جنگیں محض دفاعی تھیں۔ اِسلام دنیا میں عادلانہ نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ ظلم کرنے والوں کو پہلے تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے۔ اگر وہ ظلم سے باز نہ آئیں تو پھر اُن کے خلاف طاقت استعمال کی جاتی ہے۔ برائی کو پہلے زبان سے اور پھر ہاتھ سے روکا جاتا ہے۔ مکہ والوں کو پورے تیرہ برس زبان سے سمجھایا گیا اور اُن کے ہر ظلم کو كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ (اپنے ہاتھ بندھے رکھو) کی ہدایتِ قرآنی (النساء[4] : 77) پر عمل کرتے ہوئے برداشت کیا گیا۔ جب مشرکین ظلم میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ کی طرف سے اُن کے خلاف جنگ کا حکم آیا اور پہلا مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں نخلہ میں مارا گیا۔ گویا اِس معاملے میں پہل مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوئی۔

غزوۂ بدر سے قبل مشاورت

مقامِ صفراء پر نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا کیل کانٹے سے لیس لشکر مدینہ کی طرف آرہا ہے۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ایک طرف لشکر ہے جس میں ایک ہزار جنگجو، ہر ایک کے پاس تلوار، چھ سو زرہیں، ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ ہیں۔ دوسری طرف قافلہ ہے جس کے ساتھ صرف چالیس محافظ ہیں۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم قافلہ کی طرف جائیں یا لشکر کی طرف۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کے ارادے سے تو نکلے ہی نہیں تھے اور اُن کے پاس محض دو گھوڑے، ستر اونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں، لہٰذا اُنہوں نے مشورہ دیا کہ قافلہ کی طرف چلیں۔ یہ رائے نہ تو بزدلی کی بنیاد پر تھی اور نہ منافقت کی بنیاد پر، بلکہ جو بھی احوال و اسباب تھے اُن کی بنیاد پر تھی۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ (الانفال[8] : 5-8)

"جیسا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے گھر سے نکالا حق کے ساتھ جبکہ مومنین کا ایک گروہ ناخوش تھا۔ وہ آپ ﷺ سے حق کے بارے میں اُس کے واضح ہو جانے کے بعد بحث کر رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں اور جب اللہ تم سے وعدہ کر تا تھا کہ دو گروہوں (لشکر یا قافلہ) میں سے ایک پر تمہیں فتح دے گا اور تم چاہتے تھے کہ قافلہ جو بے شان و شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ سچ کو سچ کر دے اور جھوٹ کو جھوٹ، اگرچہ مشرک ناخوش ہی ہوں"۔

جب صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے محسوس کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی منشاء کچھ اور ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایمان افروز تقاریر کے ذریعہ آپ ﷺ کا ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ اِس موقع پر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کو جو راہ دکھلائی ہے اِس پر چلتے رہیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم آپ ﷺ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (المائدۃ[5] : 24)

"آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پروردگار چلیں اور لڑیں اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ﷺ ہم کو بَرک غِماد تک لے چلیں گے تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپ ﷺ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے"۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور دُعا دی۔

مذکورہ بالا تینوں حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے معلوم کریں۔ بیعتِ عقبہ کی رُو سے انصار، مدینہ کی حد تک تو آپ ﷺ کی حفاظت کے پابند تھے لیکن

---

(۱) مسند أحمد، كتاب بَاقِي مُسْنَدِ الْمُكْثِرِينَ، باب مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ

اُن پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر کسی جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ دیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی اِس خواہش کو محسوس کر لیا۔ چنانچہ اُنہوں نے عرض کیا کہ:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کا رُوئے سخن ہماری طرف ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "ہاں!" اُنہوں نے کہا:"

ہم تو آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور اِس پر ہم نے آپ ﷺ کو اپنی سمع و طاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہٰذا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کا جو ارادہ ہے اِس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں ساتھ لے کر اِس سمندر میں کُودنا چاہیں تو ہم اِس میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کُود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ﷺ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جواں مرد ہیں اور ممکن ہے اللہ آپ ﷺ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس آپ ﷺ ہمیں ہمراہ لے کر چلیں۔ اللہ برکت دے"۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اِس وقت گویا میں قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں"۔

بدر کی شب نبی اکرم ﷺ کی دعا

بدر کی شب نبی اکرم ﷺ کے لیے گھاس پھونس کی ایک جھونپڑی بنادی گئی جس میں آپ ﷺ نے سجدہ کی حالت میں دُعا کی کہ:

"اے اللہ! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اِسے پورا فرمادے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد

---

(1) السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، کتاب غَزْوَۃُ بَدْرٍ الْکُبْرٰی، باب اسْتِیثَاقُ الرَّسُولِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ أَمْرِ الْأَنْصَارِ

اور تیرے وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔اے اللہ! کل اگر یہ لوگ یہاں شہید ہو گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔اے میرے رب میں نے اپنی پندرہ برس کی کمائی میدان میں لا کر ڈال دی ہے"۔

اُس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لیے پہرے پر کھڑے تھے۔اُنہوں نے عرض کی "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بس کیجیے بس کیجیے یقیناً اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا۔"اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ (القمر[54] : 45)

"اِس جمعیت کو شکست ہو کر رہے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگے گی"۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی دعائیں کر رہے تھے جن کا ذکر سورۃ الانفال[8] کی آیات 9 تا 10 میں اِس طرح کیا گیا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾

"جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اِس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اِس سے اطمینان حاصل کریں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے"۔

بارانِ رحمت کا نزول

مسلمان بدر کی وادی کے جس حصہ میں تھے وہاں ریت کی وجہ سے دشواری تھی جبکہ کفار جس جگہ پر تھے وہ زمین کا حصہ سخت تھا۔اللہ تعالیٰ نے بدر کی شب بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر تو موسلا دھار برسی اور کیچڑ کی وجہ سے اُن کے لیے دشواری پیدا ہو گئی۔ مسلمانوں پر یہ بارش پھوار بن کر برسی جس

(۱) صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قوله {سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ}، عن ابن عباس رضي الله عنه

سے ریت میں سختی آ گئی، زمیں ہموار ہو گئی، قدم جمنے لگے، طہارت کے لیے پانی جمع کر لیا گیا اور مسلمانوں کو قلبی سکون حاصل ہوا۔ سورۃ الانفال[8] آیت 11 میں اِس کا ذکر یوں ہوا:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

"جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں اِس کے ذریعے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دُور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے"۔

بدر کا معرکہ

۷ا، رمضان المبارک سن 2 ہجری کو جب بدر کا معرکہ گرم ہوا تو اللہ کی نصرت کا ظہور ابتداء ہی سے مسلمانوں کے شاملِ حال رہا۔ اللہ نے فرشتے نازل فرمائے اور اُنہیں وحی کی:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ (الانفال[8] : 12)

"بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دیتا ہوں تو اُن کے سر (مار کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کر توڑ) دو"۔

مسلمانوں نے آگے بڑھ بڑھ کر مشرکین پر حملے شروع کیے۔ اِس دوران اللہ نے آپ ﷺ کو وحی فرمائی اور آپ ﷺ نے ایک مُٹھی کنکریوں کی قریش کی طرف پھینکی اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (چہرے بگڑ جائیں)۔ مشرکین میں سے کوئی بھی نہیں تھا جس کی آنکھیں، نتھنے اور منہ اِن کنکریوں سے محفوظ رہا ہو۔ اب مسلمانوں نے بھرپور وار کیے اور قریش کے تمام بڑے بڑے سردار ہلاک ہو گئے۔ ابوجہل کو دو کمسن لڑکوں نے جہنم واصل کیا۔ اِس صورتِ حال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال[8] : 17)

"تم لوگوں نے اُن (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُنہیں قتل کیا اور (اے نبی ﷺ) جس وقت آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں"۔

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ!
غالب و کارآفریں ، کار کُشا، کار ساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اُس کا دلِ بے نیاز
اُس کی اُمیدیں قلیل، اُس کے مقاصد جلیل
اُس کی ادا دل فریب، اُس کی نگہ دل نواز

یہ معرکہ، مشرکین کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین پر ختم ہوا۔ اِس میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اُن کے ستّر آدمی مارے گئے اور ستّر قید کیے گئے جو عموماً قائد، سردار اور بڑی اہم حیثیت والے تھے۔

مالِ غنیمت کا مسئلہ

بدر کی جنگ کے اختتام پر مسلمانوں کا ایک گروہ نبی اکرم ﷺ کی حفاظت پر مامور رہا، ایک گروہ کفار کے تعاقب میں لگ گیا اور ایک گروہ مالِ غنیمت جمع کرنے لگا۔ اِن تینوں گروہوں میں مالِ غنیمت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا۔ جب یہ اختلاف شِدّت اختیار کر گیا تو اللہ کی طرف سے سورۃ الانفال[8] کی پہلی ہی آیت میں ہدایت آئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

"(اے نبی ﷺ) وہ آپ ﷺ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے تو اللہ کی نافرمانی سے بچو اور آپس میں صلح رکھو اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اگر ایمان رکھتے ہو"۔

اِس آیت میں غنیمت کے لیے انفال کا لفظ آیا ہے جو نَفَل کی جمع ہے اور اِس کے معنی ہوتے ہیں اضافی شے۔ گویا جنگ کے دوران ایک مومن کا اصل مطلوب اللہ کی رضا جوئی کے لیے حصولِ شہادت ہوتا ہے، مالِ غنیمت تو اضافی شے ہے، بقول اقبال:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اِس آیت کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ﷺ کے حوالے کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اِس حکم کی تعمیل کی اور اِس کے بعد اللہ نے وحی کے ذریعہ اِس مسئلے کا حل نازل فرمایا۔ سورۃ الانفال[8] کی آیت 41 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم غنیمت میں سے لائے اِس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اُس کے رسول ﷺ کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اُس (نصرت) پر جو اللہ نے اپنے بندے ﷺ پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن نازل فرمائی، جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرا گئی تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

گویا مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہو گا اور بقیہ مجاہدین میں برابر برابر تقسیم ہو گا۔ البتہ مجاہدین میں سے جو اپنی سواری کا جانور لائے گا اُسے ایک حصہ سواری کا بھی دیا جائے گا۔

قیدیوں کے بارے میں فیصلہ

جب نبی کریم ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ قیدی ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ﷺ اِن سے فدیہ لے لیں۔ اِس طرح جو کچھ ہم لیں گے وہ کفّار کے خلاف ہماری قوت کا ذریعہ ہو گا۔ یہ بھی توقع ہے کہ اللہ اِنہیں ہدایت دے دے اور وہ ہمارے بازو بن جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ہر قیدی کو اُس کے قریبی عزیز کے حوالے کر دیں تاکہ وہ

اپنے ہاتھ سے اُس کی گردن اڑا کر ثابت کرے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں اور ہمارے نزدیک اہمیت خونی یا نسلی رشتوں کی نہیں بلکہ ایمان کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مزاج میں نرمی تھی اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمالی۔ اِس پر اللہ کی طرف سے ناراضگی کا اظہار اِن الفاظ میں ہوا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال 8: 6867)

"کسی نبی کے لیے درست نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں، یہاں تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کرلے ۔ تم لوگ دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے ایک حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو تم لوگوں نے جو کچھ لیا ہے اُس پر تم کو سخت عذاب پکڑ لیتا"۔

اللہ کی طرف سے جو حکم پہلے آچکا تھا وہ سورۃ محمد ﷺ کی آیت 4 میں ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۖۗ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

"پس جب تم لوگ کفر کرنے والوں سے ٹکراؤ تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب اُنہیں اچھی طرح کچل لو تو جکڑ کر باندھو۔ اِس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لو، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے"۔

اِس آیت میں ذکر تھا کہ جب لڑائی ہتھیار رکھ دے اُس کے بعد احسان کر کے یا فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر سکتے ہو۔ گویا جنگ کے مکمل خاتمہ کے بعد فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ معاملہ War کے ختم ہونے کا تھا نہ کہ Battle کے ختم ہونے کا۔ نیک نیتی سے فدیہ لینے کے حکم میں خطا ہوئی تھی لہٰذا اللہ نے عذاب ٹال دیا۔ نوٹ فرمایئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو قتال کے اِس مرحلہ میں کفار کی کمر توڑنے کے لیے خون ریزی کا حکم دے رہا ہے۔ کہاں قرآنِ حکیم کا یہ انقلابی انداز ہے اور کہاں مغرب سے مرعوب دانشوروں کا معذرت خواہانہ طرزِ عمل یا خانقاہی تصوراتِ نیکی۔

مرحلہ قتال کے حوالے سے اصولی ہدایات

سورۃ الانفال[8] تقریباً پوری کی پوری غزوۂ بدر ہی سے متعلق ہے۔ اِس غزوے کے دوران جو حالات پیش آئے، اُن سب پر اللہ کی طرف سے ایک نہایت جامع تبصرہ اور مرحلہ قتال کے حوالے سے چند اُصولی ہدایات اِس سورۂ مبارکہ میں شامل ہیں۔ یہ ہدایات حسبِ ذیل ہیں:

1. آیات 15 اور 16 میں فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾

"اے اہلِ ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز اِس صورت کے سوا کہ جنگی تدبیر کے طور پر یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے، اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگے گا تو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے"۔

گویا مرحلہ قتال میں بزدلی دکھانا اپنی سابقہ نیکیوں کو برباد کرنے اور اللہ کو ناراض کرنے کا سبب ہو گا۔

اِس آیت میں ایک غلط فہمی دُور کرنے کا مضمون بھی موجود ہے۔ یہ غلط فہمی کچھ تجدد پسند دانشور، مستشرقین کی تحریروں سے متاثر ہو کر پیدا کرتے ہیں۔ یہ حضرات ہجرت کے واقعہ کا ذکر Fligt to Madina یعنی "مدینہ کی طرف فرار" کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ ہجرت اور فرار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نبی اکرم ﷺ مکہ سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جان بچا کر نہیں بھاگے تھے۔ ہجرت کا عمل بالکل ویسے ہے جیسے سورۃ الانفال[8] کی اِس آیت میں آیا ہے کہ جنگ میں پیٹھ دکھا دینا بہت بڑا جرم اور ناقابلِ معافی گناہ ہے، سوائے اِس کے کہ کوئی جنگی تدبیر ہو یا یہ کہ پیچھے جو نفری ہے اُس تک پہنچ کر پھر حملہ کرنا مقصود ہو۔ تو ہجرت در حقیقت باطل کے خلاف ایک حکمتِ عملی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک متبادل مرکز (Alternate Base) کی

حیثیت سے پہلے طائف کا انتخاب کیا تھا، لیکن طائف والوں کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی۔ اللہ نے یہ سعادت مدینہ کے لیے رکھی تھی۔ اہل مدینہ چل کر گئے اور آپ ﷺ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ جوں ہی آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملی، آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف کوچ فرمایا۔ یہاں آپ ﷺ کھجور کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام فرمانے نہیں آئے تھے بلکہ غزوۂ بدر سے پہلے بنفس نفیس چار مہموں میں آپ ﷺ خود بھی تشریف لے گئے اور بدر کے معرکہ میں بھی آپ ﷺ نے بھرپور حصہ لیا۔

2. آیت 39 میں حکم دیا گیا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

"اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام کل کا کل اللہ کے لیے"۔

اِس آیت میں قتال فی سبیل اللہ کا ہدف غلبہ دین کو قرار دے کر فرمایا کہ اب تلواریں نیام میں نہ جائیں جب تک غلبہ دین کی منزل سر نہ کرلی جائے۔

3. آیات 45 اور 46 میں ہدایات دی گئیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾

"مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ مراد حاصل کر سکو۔ اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اللہ کی مدد کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میدانِ جنگ میں ثابت قدمی دکھائی جائے، اللہ کو یاد رکھا جائے کیونکہ بھروسہ اسباب پر نہیں اللہ پر ہے اور نظم کی پابندی کی جائے۔

4. آیت 58 میں ارشاد ہوا:

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

"اور اگر تمہیں کسی قوم سے بد عہدی کا خوف ہو تو (اُن کا عہد) اُنہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بد عہدوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اِس آیت میں ہدایت دی گئی کہ اگر دشمن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو تو پھر علی الاعلان معاہدہ توڑو اور پھر کوئی کارروائی کرو۔ یہ جائز نہیں کہ اوپر سے معاہدہ ہو اور اندرخانہ سازشیں کی جارہی ہوں۔

5. آیت 60 میں ہدایت ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ

"اور جہاں تک ممکن ہو سکے فراہم کرو قوت اور سدھائے ہوئے گھوڑے، ڈراؤ اِن کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو"۔

اِس آیت کی رُو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عسکری صلاحیت اور ٹیکنالوجی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

6. مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ باہمی محبت کا معیار رشتۂ ایمان اور دین کے لیے ایثار و قربانی کو بناؤ نہ کہ خونی اور نسلی تعلقات کو۔ آیت 72 میں ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ

"جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور اُن کی مدد کی وہ آپس میں

ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تمہاری اُن سے کوئی رفاقت نہیں"۔

آگے آیت 73 میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝

"اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کروگے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا"۔

اگر دوستی اور محبت کا معیار ایمان نہ ہو اور نسلی یا کسی اور تعلق کی بنیاد پر کافروں کے لیے نرم گوشہ ہو تو کفار کے خلاف جنگ میں بھرپور وار نہ ہو سکے گا اور گویا زمین سے ظلم و فساد کو مٹانا ممکن نہ ہو گا، بقول جگر مراد آبادی:

میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں

7. سورۃ الانفال[8] کے آغاز یعنی آیات 2 تا 4 اور اِس سورۃ کے اختتام یعنی آیت 74 میں بندۂ مومن کی تصویر کے دو رُخ بیان کیے گئے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۗ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (الانفال[8] : 2-4)

"مومن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز اُٹھیں اور جب اُنہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جائیں تو اِس سے اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جائے، اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ جو کہ نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے لگاتے اور کھپاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مومن ہیں۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس اعلیٰ درجات اور بخشش اور نہایت اعلیٰ رزق ہے"۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾ (الانفال [8] : 74)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے اُن کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی، یہی سچے مومن ہیں، اُن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے"۔

ابتدائی آیات میں بندۂ مومن کی تصویر کا وہ رُخ بیان ہوا جس کا تعلق باطنی کیفیات کے ساتھ ہے۔ ایمانِ حقیقی جب دل میں راسخ ہو جائے تو اِس سے دل میں اللہ کی عظمت اور جلال کا اثر قائم ہو جاتا ہے، قرآن کی تلاوت انسان کے ایمان کو اور تقویت دیتی ہے، اب ایسے انسان کا کل بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے، وہ اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے نماز پڑھتا ہے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔

آیت 74 میں بندۂ مومن کی تصویر کا خارجی رخ یہ بیان ہوا کہ وہ اللہ کے دین کے غلبے کے لیے قربانیاں دے رہا ہوتا ہے یعنی صبر، ہجرت، جہاد اور قتال کے مراحل طے کر رہا ہوتا ہے۔ بندۂ مومن کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیرت و کردار میں بہت نمایاں تھے۔ اِس حقیقت کی گواہی جنگِ قادسیہ میں ایک ایرانی جاسوس نے اِن الفاظ میں دی کہ "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" (وہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار)۔

معرکہ بدر... یومُ الفرقان

اللہ تعالیٰ نے یومِ بدر کو سورۃ الانفال [8] کی آیت 41 میں یوم الفرقان یعنی حق و باطل کے مابین تمیز والا دن قرار دیا۔ اِسی سورۃ کی آیت 19 میں کفار کو خبر دار کیا گیا:

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِیَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹﴾

"(کافرو) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آ چکا۔ اگر اب بھی تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر وہی کچھ (یعنی سرکشی) کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کچھ کریں گے (جو بدر میں کیا) اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے"۔

بدر کا دن واقعی یوم الفرقان بن گیا۔ اِس دن کی شاندار فتح سے مسلمانوں کا حوصلہ یقیناً بہت بلند ہوا۔ پورے علاقے پر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ کفار کے ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کو اُن تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست ہوئی جن میں سے اکثر کے پاس مقابلہ کے لیے صرف درختوں کی ٹہنیاں تھیں۔ اِن کی اکثریت اُن انصار پر مشتمل تھی کہ جن کو قریش جنگجو قوم ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اِن کے بارے میں قریش مکّہ کا یہ خیال تھا کہ یہ کاشت کار لوگ ہیں، لڑنے بھڑنے سے اِنہیں کیا سروکار۔ مسلمانوں کے صرف 14 جانباز شہید ہوئے اور کوئی ایک قیدی نہ بنا جبکہ کفار کے 70 افراد مارے گئے اور 70 ہی قیدی بنے۔ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف اور عاص بن ہشام جیسے بڑے بڑے سردار کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی مانند میدانِ بدر میں پڑے تھے۔ قریش کی قیادت غارت ہوگئی اور اُن کی کمر پہلے ہی معرکہ میں ٹوٹ گئی۔ اس طرح ہجرت کے دو ہی سال بعد صورتِ حال ایک دم اِس طرح تبدیل ہو گئی کہ مسلمانوں کی مظلومیت کا دور ختم ہوا اور اُن کا رعب پورے علاقے پر بیٹھ گیا۔ اِس فتح و کامرانی کی بدولت دعوتِ توحید اور اِسلامی تحریک کی انقلابی جدوجہد کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ پورے عرب پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق پر کون ہے اور اللہ کی نصرت وحمایت کس کے ساتھ ہے۔

اللہ کی ایسی نصرت اب بھی مسلمانوں کو حاصل ہو سکتی ہے مگر اِس کے لیے اصحابِ بدر جیسا کردار، حوصلہ اور ہمت درکار ہے، بقول اقبال:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

درسِ ششم:

غزوۂ اُحد

کفر واِسلام کا دوسرا بڑا معرکہ — عارضی شکست اور شدید آزمائش

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ
هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ
يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ
اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِى
الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ ششم "غزوۂ اُحد" کے پس منظر اور تفصیلی حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

2. غزوۂ اُحد شوال سن 3 ہجری میں ہوا۔ یہ غزوہ بعض اعتبارات سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اِس میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کے بہت دُور رس نتائج نکلے۔ سورۃ آلِ عمران[3] کی آیات 121 تا 180 میں اِس غزوہ کے حالات و واقعات پر نہایت بھرپور تبصرہ موجود ہے۔ اِن میں سے چند آیات کی روشنی میں ہم اِس غزوہ کی تفصیلات اور اِس ضمن میں دی جانے والی ہدایات کو سمجھیں گے۔

3. اُحد کا معرکہ اِس اعتبار سے اہم ہے کہ اِس موقع پر مسلمانوں میں نفاق کا مرض پہلی بار نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک تہائی افراد رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی قیادت میں علیحدہ ہو گئے۔ یہ بات اِس سے قبل بیان کی جا چکی ہے کہ مدینہ میں اوس اور خزرج کے قبائل کی اکثریت صدقِ دل سے نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئی تھی۔ البتہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن بادلِ ناخواستہ۔ عبد اللہ بن اُبی اِن ہی میں سے تھا۔ اِس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ اُس کی سیاسی سمجھ بوجھ کے سب معترف تھے اور اُسے ایک بڑا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے کچھ ہی عرصہ قبل اوس اور خزرج کے مابین اِس بات پر اتفاقِ رائے ہو چکا تھا کہ عبد اللہ بن اُبی کو بادشاہ مان کر مدینے میں باقاعدہ ایک بادشاہی نظامِ حکومت قائم کر دیا جائے۔ عبد اللہ بن اُبی کے لیے تاج بھی تیار ہو چکا تھا، لیکن جب نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو خورشیدِ رسالت کے طلوع ہونے کی وجہ سے عبد اللہ بن اُبی کی بادشاہت کا امکان ختم ہو گیا۔ وہ اندر ہی اندر غصہ اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ پھر بدر کی فتح سے پہلے تک تو معاملہ یہ تھا کہ جو ایمان لاتا تھا وہ جانتا تھا کہ دعوتِ اِسلام قبول کرنے سے اُس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی، کن کن خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا اور کیسے کیسے مصائب و شدائد سے سابقہ پیش آئے گا۔ بدر کی فتح سے صورتِ حال بدل گئی اور اب کچھ کچے، ناپختہ اور کمزور ارادے کے حامل لوگ بھی آ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل

ہو گئے۔ یہ لوگ بعد ازاں منافقت کے مرض کا شکار ہو گئے۔ اِن کی منافقت اور عبد اللہ بن اُبی کا خُبثِ باطن پہلی بار اُحد کے موقع پر ظاہر ہوا اور یہ سب تین سو کی تعداد میں اِسلامی لشکر سے علیحدہ ہو کر چلے گئے۔

غزوۂ اُحد کا سبب

غزوۂ بدر میں قریش کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن کے ستر افراد مارے گئے، جن میں بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے اور ستر افراد بھی قید ہوئے۔ قریش کے تکبر کا سر ٹوٹ گیا اور اُن کی عزت بری طرح سے خاک میں مل گئی۔ انتقام کی آگ قریش کے سینوں میں بھڑک اُٹھی اور اُنہوں نے شکست کا بدلہ لینے کے لیے بھرپور تیاری شروع کر دی۔ اُنہوں نے اسباب کی فراہمی کے لیے ایک تجارتی قافلہ نجد کے راستہ شام کی طرف روانہ کیا لیکن مسلمانوں کے ایک دستہ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چھاپہ مار کارروائی کر کے اُس کے تمام ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ اِس ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے ابو سفیان نے دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹوں کو ہانک کر مکہ لے جانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور قریش کو اپنا سامان پھینک کر فرار ہونا پڑا۔ اِن واقعات نے قریش کی آتشِ انتقام کو عروج پر پہنچا دیا اور وہ شوال سن 3 ہجری میں تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینے پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مردوں کی غیرت و حمیت کو جگانے کے لیے پندرہ عورتیں بھی اِن کے ساتھ تھیں۔ لشکر میں تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے کے لیے دو سو گھوڑے تھے۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زِرہیں تھیں۔

غزوۂ اُحد سے قبل مشاورت

لشکر کی آمد کی خبر سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاورت طلب فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ مدینہ میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے یا کھلے میدان میں نکل کر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ مدینے سے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر کے اندر ہی قلعہ بند ہو جائیں۔ اب اگر مشرکین اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو یہ بے مقصد قیام ہو گا اور اگر مدینے میں داخل ہوتے ہیں تو مسلمان گلی کوچے کے ناکوں پر اُن سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں کے اوپر سے اُن پر خشت باری کریں

گی۔ عبد اللہ بن اُبی نے بھی اِسی رائے سے اتفاق کیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ وہ جنگ سے دُور بھی رہے اور کسی کو اِس کا احساس بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ نے چاہا کہ یہ شخص اپنے ساتھیوں سمیت پہلی بار سرِ عام رسوا ہو، اُس کے نفاق پر پڑا ہوا پردہ ہٹ جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اُن کی آستین میں کتنے سانپ رینگ رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اُن لوگوں نے جو بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے مشورہ دیا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اُن نوجوانوں نے جن کے دل جذبۂ جہاد سے معمور تھے اور جو شوقِ شہادت سے بے تاب ہو رہے تھے، اپنی اِس رائے پر اصرار کیا کہ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو اِس دن کی تمنّا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اِس کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے مدِّ مقابل ہی تشریف لے چلیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ڈر گئے ہیں"۔

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہی فرمایا کہ ہم مدینے سے باہر نکل کر کھلے میدان میں کفار کا مقابلہ کریں گے۔ اِس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے تیار ہو کر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے اوپر دو زِرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ اِس سے محسوس ہوا کہ سخت مقابلہ کا اندیشہ ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا ہے۔ ہمیں معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حوالے کرنا چاہیے۔ یہ سن کر لوگوں نے ندامت محسوس کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں محصور ہو کر لڑیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی نبی جب اپنا ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ اُسے اتارے جب تک اللہ اُس کے اور اُس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے"۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو لشکر نکلا اُس میں ایک ہزار افراد تھے جن میں ایک سو زِرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔

(1) السیرة النبویة لابن هشام، کتاب غَزْوَةُ أُحُد، باب مُشَاوَرَةُ الرَّسُولِ الْقَوْمَ فِي الْخُرُوجِ أَوْ الْبَقَاءِ

منافقین کا فرار

اِسلامی لشکر نے مدینہ سے نکل کر ایک مقام 'شوط' پر پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں دشمن بہت قریب تھا اور دونوں لشکر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اِس مقام پر عبد اللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ہماری رائے نہیں مانی گئی اور کھلے میدان میں مقابلہ کا فیصلہ کیا گیا ہے لہٰذا ہم ساتھ نہیں دے سکتے۔ یقیناً اِس علیحدگی کا سبب وہ نہیں تھا جو اُس نے ظاہر کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اِس نازک موڑ پر الگ ہو کر اِسلامی لشکر میں ایسے وقت اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اِس کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ اُس کا منصوبہ تھا کہ تین سو افراد کی علیحدگی سے نبی ﷺ کے مخلص ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے اور دوسری طرف اِس منظر کو دیکھ کر دشمن کی ہمت اور حوصلے بلند ہوں گے۔ اِس طرح نبی ﷺ اور اُن کے مخلص ساتھیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جس کے بعد اِس منافق کی سرداری و سربراہی کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔

قریب تھا کہ یہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا، کیوں کہ مزید دو جماعتیں یعنی قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ بھی ہمت ہار رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن کی دستگیری فرمائی اور یہ دونوں جماعتیں استقامت کے ساتھ ڈٹی رہیں۔ قرآنِ حکیم نے عبد اللہ بن ابی اور اُس کے ساتھ چلے جانے والے منافقین سے بیزاری کا یہ معاملہ کیا کہ اُن کا ذکر ہی نہیں کیا۔ البتہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا ذکر اِن الفاظ میں کیا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِیُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

(آلِ عمران 3 : 122)

"جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ ہمت ہار جائیں اور اللہ اُن کا پشت پناہ تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے"۔

اب نبی اکرم ﷺ سات سو ساتھیوں کو لے کر دامنِ اُحد میں مورچہ بند ہوئے۔

میدانِ اُحد میں مورچہ بندی

نبی اکرم ﷺ نے میدانِ اُحد میں پہنچ کر لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم فرمائی۔ اللہ نے اِس کا ذکر اِن الفاظ میں فرمایا:

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۱۲۱﴾

(آلِ عمران 3 : 121)

"اور جب آپ ﷺ صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر متعین فرما رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"۔

آپ ﷺ میدانِ اُحد میں دشمن کے آنے کے بعد تشریف لائے تھے لیکن آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو جنگی نقطۂ نظر سے بہترین مقام تھا۔ آپ ﷺ نے اُحد پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ کر لیا۔ بائیں بازو پر پہاڑ میں ایک درہ تھا جس سے حملہ کر کے دشمن مسلمانوں کی پشت پر پہنچ سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے اِس درہ پر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما دیا اور انہیں ہدایت دی کہ:

"اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچ رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور اُنہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں"۔ (۱)

لشکر کے پڑاؤ کے لیے آپ ﷺ نے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی تاکہ اگر خدانخواستہ شکست ہو تو بھاگنے اور تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جاسکے اور اگر دشمن کیمپ پر قبضے کے لیے پیش قدمی کرے تو اُسے نہایت سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اِس کے برعکس آپ ﷺ نے دشمن کو اپنے کیمپ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اُٹھا سکے اور اگر مسلمان غالب آجائیں تو وہ تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ مورچہ بندی کا یہ منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا جس سے نبی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب، عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ

اکرم ﷺ کی عسکری صلاحیت اور عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ﷺ نے اِس منصوبہ بندی کے ذریعہ ساتھیوں کی تعداد کی کمی کا ازالہ فرمادیا۔

مسلمانوں کی ابتدائی فتح اور پھر شکست

جوں ہی معرکہ کا آغاز ہوا، مسلمانوں کو پہلے ہی ہلے میں فتح حاصل ہو گئی۔ مسلمان کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ یہ مختصر سا اِسلامی لشکر اہلِ مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگِ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی، درہ پر متعین تیر اندازوں کی اکثریت نے ایک خوفناک غلطی کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح ایک وقتی شکست میں بدل گئی۔ قرآنِ حکیم میں اِس کا نقشہ یوں کھینچا گیا:

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ (آلِ عمران[3] : 152)

"اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے نظم کے معاملہ میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی، اِس کے بعد کہ جب اللہ نے تم کو وہ دکھا دیا جسے تم پسند کرتے تھے (یعنی فتح)۔ تم میں سے کچھ طلب گار تھے دنیا کے اور کچھ آخرت کے۔ پھر اللہ نے پھیر دیا تمہیں اُن سے تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے اور اُس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے"۔

درّہ پر موجود تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے تو اُن سے صبر نہ ہوا اور اُنہوں نے اپنے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے درہ خالی کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر نے فرمایا کہ جب تک ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں بلایا ہم یہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ لیکن چالیس ساتھیوں نے اپنے امیر کی بات نہ مانی اور درہ سے نیچے اتر آئے۔ قریش کے رسالہ کے سردار خالد بن ولید نے (جو بعد میں ایمان لائے) دّرہ خالی دیکھا تو وہاں سے حملہ کر دیا۔ حضرت

عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے نو ساتھی شہید ہو گئے اور قریش نے مسلمانوں پر پشت سے زور دار حملہ کر دیا۔ اب مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور مسلمانوں کو شدید نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان گھبرا کر پہاڑوں پر چڑھنے لگے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پکار پکار کر واپس بلا رہے تھے:

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ (آلِ عمران[3] : 153)

"جب تم اُوپر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر کسی کو نہ دیکھتے تھے جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم پر غم پہنچایا تاکہ تمہیں رنج نہ ہو اُس کا جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے یا اُس مصیبت کا جو تم پر واقع ہو"۔

غم پر غم کی صورت یہ تھی کہ ہر کچھ دیر بعد کسی ساتھی کی شہادت کی خبر ملی اور مجموعی طور پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے جن میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ صدمات کی کثرت ہو تو انسان اِن کا عادی ہو جاتا ہے اور زیادہ تاثر نہیں لیتا:

رنج سے خوگر ہوا اِنساں، تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

عقب سے قریش کے اِس حملے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہادت سے بال بال بچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر سات انصاری اور دو قرشی صحابہ رضی اللہ عنہم مامور تھے۔ جب حملہ آور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون ہے جو اِنہیں ہم سے دفع کرے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا؟" اِس کے بعد ایک ایک کر کے ساتوں انصاری صحابی رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف دو قرشی صحابی یعنی حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما رہ گئے۔ یہ لمحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لیے نہایت ہی نازک ترین لمحہ تھا۔ مشرکین نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اُنہوں نے تابڑ توڑ حملے کیے اور چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرے پر پتھر مارا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا دانت ٹوٹ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو کر گر پڑے۔ افواہ پھیل گئی کہ

آپ ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ افواہ سن کر اکثر مسلمانوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ شدید مایوس ہو کر منتشر ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس طرزِ عمل پر مسلمانوں کی سخت سرزنش فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

(آلِ عمران 3 : 144)

"اور محمد ﷺ نہیں ہیں مگر ایک رسول ﷺ۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں۔ تو بھلا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو عنقریب جزا عطا فرمائے گا"۔

یہی وہ آیت ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے وصال کے موقع پر تلاوت فرمائی تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کا صدمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر آ گئے کہ جس نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اِس صورتِ حال کو سنبھالا۔ اُنہوں نے لوگوں کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ (1)

"پس جو کوئی بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس پر کبھی موت وارد ہونے والی نہیں"۔

یہ اُصولی بات ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے اِس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

اِس خطبہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گردن جھکتی چلی گئی اور آپ نے تلوار کو نیام میں ڈال لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ اِس خطبہ

(1) صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، عن عائشة رضی اللہ عنہا

سے یہ عمومی رہنمائی ملتی ہے کہ شخصیات سے محبت اور احسان مندی کے جذبات ضروری ہیں لیکن اللہ کی رضا اور اُس کی بندگی کے مشن کو ہمیشہ مقدم رکھنا چاہیے۔

اُحد کے میدان میں نبی اکرم ﷺ کو جو تکلیف دیکھنی پڑی اُس کی حکمت یہ تھی کہ اُمت پر ظاہر ہو جائے کہ آپ ﷺ نے غلبہ دین کی جدوجہد خالص انسانی سطح پر کی اور یہ ہم سب کے لیے قابلِ اتباع ہے۔ اگر آپ ﷺ محض دعاؤں اور معجزات کے ذریعہ اقامتِ دین کی منزل سر کر لیتے تو پھر ہمارے لیے آپ ﷺ کی سیرت اُسوہ فراہم نہ کرتی۔

میدانِ اُحد میں بیہوشی کے کچھ ہی دیر بعد آپ ﷺ دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھیوں نے آپ ﷺ کے زندہ و سلامت ہونے کی خوشخبری سنائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے اور مشرکین نے بھی آپ ﷺ پر مزید حملے کیے۔ ایک مشرک نے آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار ماری۔ دُہری زرہ کی وجہ سے آپ ﷺ محفوظ رہے لیکن آپ ﷺ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اِس وار کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اِس کے بعد اُس بدبخت نے تلوار کا ایک اور وار کیا جو آنکھ سے نیچے اُبھری ہوئی ہڈی پر لگا اور اِس کی وجہ سے سر کے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اُنہوں نے اپنے دانتوں سے آپ ﷺ کے رخسارِ مبارک سے خود کی کڑیاں نکالیں اور اِس دوران اُن کے اپنے دو دانت شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ کے چہرے سے بھی خون کا فوارہ نکلا اور آپ ﷺ کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ آپ ﷺ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا حالانکہ وہ اُنہیں اللہ کی طرف بلاتا تھا"۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

(آلِ عمران 3 : 128)

"اختیار آپ ﷺ کو نہیں، اللہ چاہے تو اُنہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں"۔ (۱)

---

(۱) ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، عن أنس بن مالك رضي الله عنه

ہدایت اور فوز و فلاح کا اختیار صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ خالد بن ولید جن کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی تھی، اللہ کی توفیق سے نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ خود نبی اکرم ﷺ نے اُن کے بارے میں فرمایا خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ (خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں)۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قریش کے اِس عقبی حملے کو پسپا کرنے میں انتہائی بہادری کا ثبوت دیا اور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت میں حصہ لیا اُن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبید، حضرت ابو عبیدہ، حضرت سہل بن حنیف، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، حضرت مالک بن سنان، حضرت قتادہ بن نعمان اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آخر کار نبی اکرم ﷺ ساتھیوں سمیت پہاڑ پر چڑھ گئے اور مشرکین پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ مشرکین نے محسوس کیا کہ اب مزید ٹھہرنے سے ہمارا نقصان زیادہ ہو گا لہٰذا وہ مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔ بعد ازاں مسلمان بھی شہداء کی تدفین کے بعد مدینہ لوٹ آئے۔

مشرکین کا تعاقب

نبی اکرم ﷺ کو یہ احساس تھا کہ قریش نے مکہ کی طرف واپسی کا فیصلہ کر کے عسکری اعتبار سے غلطی کی ہے۔ اِس سے پہلے کہ اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو ہمیں اُن کا تعاقب کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے معرکہ اُحد کے دوسرے دن علی الصباح اعلان فرمایا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چل سکتا ہے جو معرکہ اُحد میں موجود تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ زخموں سے چُور، غم سے نڈھال اور اندیشہ وخوف سے دوچار تھے، لیکن سب نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا۔ ابو سفیان نے قبیلہ عبد القیس کے ایک قافلہ کو جو مدینہ آ رہا تھا انعام و اکرام کی لالچ دے کر کہا کہ ہمارا یہ پیغام محمد ﷺ اور اُن کے ساتھیوں تک پہنچا دو کہ قریش مزید نفری اور تیاری کے ساتھ حملے کے لیے آ رہے ہیں۔ ابو سفیان کا یہ پیغام سن کر مسلمانوں کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا

"ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔ قرآنِ حکیم میں اِس واقعہ کا ذکر اِن الفاظ میں ہوا:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ (آلِ عمران[3] : 172 174)

"جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے حکم پر لبیک کہی اِس کے بعد کہ پہنچ چکے تھے اُنہیں زخم، اِن میں سے جو نیکوکار اور پرہیز گار ہیں اُن کے لیے شاندار بدلہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُن سے لوگوں نے آکر کہا کہ کفار تمہارے خلاف جمع ہو رہے ہیں، اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل کے ساتھ واپس آئے، اُن کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچا اور اُنہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کا سبب

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کا سبب اِس سے پہلے سورۃ آلِ عمران[3] آیت 152 میں ہمارے سامنے آچکا ہے کہ یہ نظم کی خلاف ورزی تھی۔ درہ پر موجود تیر انداز فتح کی خوشی میں ایسے سرشار ہوئے کہ نبی کریم ﷺ کی دی ہوئی ہدایت بھول گئے اور اُنہوں نے اپنے امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حکم کی اطاعت بھی نہ کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ (آلِ عمران[3] : 165)

"بھلا جب تم پر (اُحد میں) مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگِ بدر میں) اُس سے دوچند مصیبت تم (قریش کو) پہنچا چکے ہو تو تم چلا اٹھے کہ کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آپڑی؟ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے یہ تمہاری (غلطی کی) وجہ سے ہے"۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک نظم کی کیا اہمیت ہے۔ چند ساتھیوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی، ستر ساتھی شہید ہوئے، کئی ساتھی مجروح ہوئے، خود نبی اکرم ﷺ کو بھی شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور بدر کی فتح سے مسلمانوں کا جو رعب قائم ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض روایات اور تفاسیر میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ درہ پر مامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مالِ غنیمت کے حصول کی وجہ سے درہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ مالِ غنیمت کے بارے میں ہدایت تو غزوۂ بدر کے فوراً بعد سورۂ انفال میں آ گئی تھی جس کے مطابق مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہو گا اور بقیہ مجاہدین میں برابر برابر تقسیم ہو گا۔ البتہ مجاہدین میں سے جو اپنی سواری کا جانور لائے گا اُسے ایک حصہ سواری کا بھی دیا جائے گا۔ سورۃ آلِ عمران[3] کی آیت 152 میں جو الفاظ آئے ہیں:

حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَ عَصَیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰىكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرِیۡدُ الدُّنۡیَا

"یہاں تک کہ تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے نظم کے معاملہ میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی، اُس کے بعد جب اللہ نے تم کو وہ دکھا دیا جسے تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ طلب گار تھے دنیا کے"۔

یہاں پسندیدہ شے اور دنیا کی طلب سے مراد مالِ غنیمت نہیں بلکہ دنیوی فتح ہے۔ سورۃ الصّف[61] آیت 13 میں اِسی کا ذکر ہے کہ:

وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾

"اور ایک دوسری کامیابی جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح اور (اے نبی ﷺ) مومنوں کو (قریبی فتح کی) خوشخبری سنا دیجیے"۔

غلطی پر معافی کا اعلان

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران[3] میں دوبار، درہ پر متعین ساتھیوں یا گھبراہٹ میں میدان چھوڑ دینے والوں کی غلطی کو معاف کرنے کا اعلان فرمایا:

وَ لَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾ (آلِ عمران[3] : 152)

"اور اُس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے"۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ (آلِ عمران[3] : 155)

"جو لوگ تم میں سے بھاگ کھڑے ہوئے اُس روز جب کہ دو جماعتیں آپس میں ٹکرا گئی تھیں، تو اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے اُنہیں ڈگمگا دیا تھا اور اللہ نے اُن کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل والا ہے"۔

وقتی شکست پر مسلمانوں کی دلجوئی

سورۃ آلِ عمران[3] آیات 139 تا 143 میں اللہ تعالیٰ نے اُحد میں وقتی شکست پر مسلمانوں کی بڑے مؤثر اسلوب میں دلجوئی فرمائی۔ آیت 139 میں فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

"اے مسلمانو! نہ ہمت ہارو اور نہ ہی غمگین ہو، اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے تو بالآخر غالب تم ہی ہو گے"۔

یہ ایک وقتی شکست ہے جس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جس طرح رات کے ساتھ دن کی، روشنی کے ساتھ اندھیرے کی اور گرمی کے ساتھ سردی کی افادیت ہے، اِسی طرح فتح کے ساتھ شکست بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ البتہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر تم نے ایمانِ حقیقی کی دولت محفوظ رکھی یعنی تمہارے ایمان کا اظہار تمہارے سیرت و کردار میں جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں نظر آتا رہا اور تم ایمان کی اِس دولت میں اضافہ کرتے رہے تو آخری فتح تمہیں ہی حاصل ہو گی۔ اللہ کا یہ وعدہ سورۃ النساء[4] آیت 141 میں اِس طرح بیان ہوا:

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾

"اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر کامیابی کی راہ نہیں دے گا"۔

ہمارے موجودہ زوال کا سبب بھی ایمانِ حقیقی سے ہمارے دلوں کا محروم ہونا ہے اور پھر سے عظمت کے حصول کا یہی راستہ ہے کہ ہم اللہ کی کتاب سے تعلق مضبوط کر کے اپنے قلوب کو ایمانِ حقیقی کے نور کے ذریعہ خوب سے خوب منور کریں۔

اِس کے بعد سورۃ آلِ عمران [3] آیات 140 اور 141 میں فرمایا:

اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَ تِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَمۡحَقَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾

"اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو سوچو تمہارے دشمنوں کو بھی (بدر میں) ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ یہ تو وہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے مابین گردش دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون ہیں واقعتاً اہلِ ایمان اور وہ عطا فرمائے تم میں سے بعض کو مرتبۂ شہادت اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ اللہ اہلِ ایمان کی چھانٹی کرے اور کافروں کو مٹا دے"۔

اِن آیات میں مسلمانوں کو ہمت دلائی گئی کہ مشرکین کو دیکھو، اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے اُن کی سرفروشی کا یہ عالم ہے کہ بدر میں تمہارے ہاتھوں ایک نہایت کاری زخم کھانے کے باوجود اگلے ہی سال وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے پھر سے تم پر حملہ آور ہو گئے۔ تم تو معبودِ حقیقی پر ایمان رکھنے والے ہو، تم کیوں اپنا دل تھوڑا کر رہے ہو۔ لوگوں کے درمیان اونچ نیچ کا معاملہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت کرتا رہتا ہے۔ آزمائش کی یہی تو وہ کسوٹی ہے جس سے مومن اور منافق کی تمیز ہو گی۔ پھر اِسی طور پر اللہ تم میں سے کچھ جانثاروں کو شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز فرمائے گا۔ کہیں شیطان تمہارے ذہن میں یہ خیال نہ ڈال دے کہ اللہ نے کفار کو کچھ فتح دے دی ہے تو شاید وہ اب کفار سے محبت کرنے لگا ہے۔ نہیں! اللہ اِس امتحان کے ذریعہ مومنوں کو چھانٹ کر الگ کرنا چاہتا ہے تاکہ کافر علیحدہ سے نمایاں ہو جائیں اور پھر اُنہیں برباد کر دیا جائے۔ اِس کے بعد آیت 142 میں ارشاد ہوا:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَ یَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

اِس آیت میں مسلمانوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی کہ دنیا کی عارضی اور کم تر نعمتوں کے حصول کے لیے بھی کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں، تو کیا جنت کی دائمی اور اعلیٰ ترین نعمتیں بغیر کسی تکلیف کے مل

جائیں گی۔ لفظ "صابرین" کو یہاں خاص طور پر نوٹ کیجیے۔ منتخب نصاب کے زیرِ درس حصہ کا موضوع "تواصی بالصبر" ہی ہے۔ اِس کے بعد آیت 143 میں آگاہ کیا گیا:

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

"اورتم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اِس سے پہلے کہ تم اُس کا سامنا کرتے، تو اب تم نے اُس موت کو دیکھ لیا ہے اور دیکھ رہے ہو اپنی آنکھوں کے سامنے"۔

یہاں مسلمانوں کو اُن کا شوقِ شہادت یاد دلایا گیا۔ فرمایا گیا کہ ہمت نہ ہارو، اللہ نے تم میں سے ستر ساتھیوں کو شہادت کی وہ عظیم سعادت دی ہے جس کی وہ آرزو کر رہے تھے۔

غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کی حکمتیں

1. غزوۂ اُحد میں وقتی شکست کی ایک حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو نظم کی خلاف ورزی کی نحوست سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ آئندہ کبھی بھی اِس غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔
2. اللہ تعالیٰ اِیمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا کہ ظاہر ہو جائے کون سچا مومن ہے جو مشکل حالات میں بھی ثابت قدم رہتا ہے اور کون مشکلات میں جی ہار جاتا ہے اور ساتھ چھوڑ دیتا ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

(آلِ عمران 3: 179)

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ مؤمنین کو اِسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبیث کو پاکیزہ سے الگ کر دے"۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

(آلِ عمران 3: 166-167)

"اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی) اور (اِس سے) یہ مقصود تھا کہ اللہ ظاہر کردے مومنوں کو اور اُن کو جو منافق ہوئے اور اُن سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ یہ واقعی لڑائی ہے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے۔ یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اِس سے خوب واقف ہے۔"

غزوۂ اُحد سے پہلے منافقین کا نفاق مسلمانوں سے پوشیدہ تھا۔ جب یہ غزوہ پیش آیا تو منافقین کے طرزِ عمل سے اُن کا نفاق بالکل ظاہر ہوگیا:

وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

(آلِ عمران[3] : 154)

"اور ایک گروہ ایسا تھا جسے اپنی جان کی پڑی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناحق گمان کر رہے تھے یعنی جاہلیت والے گمان۔ وہ کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے؟ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں چھپاتے ہیں جو آپ ﷺ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے اور اللہ جانچنا چاہتا ہے کہ تمہارے سینوں میں کیا ہے اور صاف کرنا چاہتا ہے تمہارے دلوں کی باتوں کو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے"۔

اب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ خود اِن کے اپنے گھروں کے اندر بھی اِن کے دشمن موجود ہیں۔ اِس لیے مسلمان اُن سے نمٹنے کے لیے مستعد اور اُن کی طرف سے محتاط ہوگئے۔

3. آزمائشیں اہلِ ایمان کی تربیت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ آزمائش کی بھٹیوں سے گزر کر ہی کندن بنا جاتا ہے۔ اِن کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ صفوں میں ابھی کہاں کہاں کمزوری موجود ہے اور جمعیت کے اندر کون کون سے گوشے ایسے ہیں کہ جہاں ابھی مزید اِستحکام کی ضرورت ہے۔ آئندہ کے کٹھن تر مراحل سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی تمام کمزوریوں سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ اِسی صورت میں ممکن ہو گا کہ اپنی صفوں کو از سرِ نو ترتیب دے کر اِنہیں تطہیر کے عمل سے گزار کر، اپنی ہمت کو مضبوط کیا جائے تا کہ آئندہ آنے والے مراحل کے لیے مناسب تیاری کی جا سکے۔

4. اللہ اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اُن کے لیے اِس کے اسباب بھی فراہم کر دیے، یعنی کفر و ظلم اور اولیاء اللہ کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑھی ہوئی سرکشی۔ پھر اُن کے اِسی عمل کے نتیجے میں اہلِ ایمان کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیا اور کافروں کو ہلاک و برباد۔ سورۃ آلِ عمران، آیات 176 اور 178 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

"اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو بڑی تیزی دکھاتے ہیں کفر میں۔ وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کے لیے کچھ حصہ نہ رہے اور اُن کے لیے بڑا عذاب تیار ہے"۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

"اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم اُن کو جو مہلت دیئے جاتے ہیں تو یہ اُن کے حق میں خیر ہے (نہیں بلکہ) ہم اُن کو اِس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں آخر کار اُن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا"۔

5. اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے جنت میں کچھ ایسے درجات تیار کر رکھے ہیں جہاں تک اُن کے لیے اعمال کے ذریعہ رسائی مشکل ہے۔ لہٰذا اللہ آزمائش کے ذریعہ اہلِ ایمان کو شہادت کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک لے جاتا ہے اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتا ہے:

وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (آلِ عمران [3] : 157)

"اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ یا طبعی موت مر جاؤ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ملنے والی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے اُس مال و اسباب سے جو وہ (گھر بیٹھ رہنے والے) جمع کرتے ہیں"۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ (آلِ عمران [3] : 169 171)

"اور ہرگز گمان نہ کرنا اُن کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ خوش ہیں اُس (انعام و اکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں عطا فرمایا اور خوش خبریاں حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے اُن کے بعد والوں میں سے، کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہو گا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہیں اللہ کے انعام اور اِس کے فضل پر اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔

غزوۂ اُحد کے ضمن میں چند اصولی ہدایات

1. اِسلام سے قبل عرب معاشرے میں سودی لین دین عروج پر تھا۔ اِسلام نے اِس لعنت کو بتدریج ختم کیا۔ غزوۂ اُحد کے فوراً بعد سود در سود یعنی سودِ مرکب پر پابندی لگا دی گئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ (آلِ عمران [3] : 130)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت کھاؤ سود بڑھتا چڑھتا اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو سکو"۔

سودی لین دین انسان کو مال کا حریص بنا دیتا ہے اور انسان کے اندر سے کسی اعلیٰ مقصد کے لیے قربانی و ایثار کے جذبے کو ختم کر دیتا ہے۔ اِس کے برعکس اِقامتِ دین کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد اب قتال کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی اور اِس کے لیے تو مال و جان کی بڑی بڑی قربانیاں درکار تھیں۔ اِسی لیے سود خوری کی ایک صورت سے منع کیا گیا۔ بعد ازاں سورۃالبقرۃ[2] میں ہر قسم کے سود کو حرام قرار دے دیا گیا۔

2. مسلمانوں کو خبردار کر دیا گیا کہ حالات کتنے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں، کفار کی کسی پیشکش یا بات کی طرف توجہ نہ دینا۔ وہ خود تو گمراہ ہیں، تمہیں بھی گمراہ کر دیں گے۔ مشکل حالات میں اللہ کی طرف رجوع کرو وہی تمہارا حقیقی خیر خواہ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ (آلِ عمران[3]: 149 151)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم نے کافروں کی بات مانی تو وہ تمہیں الٹے قدموں دین سے پھیر دیں گے اور تم پلٹ کر ہو جاؤ گے خسارہ پانے والے۔ بلکہ اللہ تمہارا حقیقی پشت پناہ ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے"۔

3. غزوۂ اُحد میں ساتھیوں سے بہت بڑی غلطی ہوئی تھی، اِس کے باوجود اللہ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے لیے ہدایت وارد ہوئی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (آلِ عمران[3]: 159)

"پس یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ﷺ اِن کے لیے نرم دل ہیں۔ اگر آپ ﷺ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ ﷺ کے پاس سے متفرق ہو جاتے۔ پس اِن کو معاف کر دیجیے اور اِن کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیے اور اِن سے ہر اہم معاملے میں مشورہ

کرتے رہیے پھر (مشورے کے بعد) جب آپ ﷺ نے عزم و ارادہ کر لیا ہو تو اللہ پر توکل کیجیے، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

اِس آیت میں ایک امیر جماعت کو نصیحت ہے کہ ساتھیوں کا خلوص اگر شک و شبہہ سے بالاتر ہے تو خواہ اُن سے نیک نیتی سے کیسی ہی غلطی ہو جائے، اُن سے نرمی برتی جائے، انہیں معاف کر دیا جائے، اللہ سے اُن کے حق میں اِستغفار کی جائے اور اُن پر اعتماد کرتے ہوئے اُنہیں مشورہ میں شریک کیا جائے۔

4. مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ نہ اپنے اسباب کی قلت سے مایوس ہونا اور نہ دشمن کے اسباب کی کثرت سے مرعوب ہونا۔ تمہاری نگاہ صرف اللہ کی طرف رہے۔ فیصلہ کن شے صرف اور صرف اللہ کی مدد ہے:

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ (آلِ عمران 3 : 160)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں"۔

5. منافقین نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کہا:

لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ (آلِ عمران 3 : 168)

"اگر وہ ہماری بات مانتے تو یوں مارے نہ جاتے"۔

جواب میں کہا گیا:

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ (آلِ عمران 3 : 168)

"(اے نبی ﷺ) اِن سے کہہ دیجیے اپنے اوپر سے موت کو ٹال کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو"۔

گویا مسلمانوں کو یہ حقیقت یاد دلائی گئی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کی موت واقع نہیں ہو سکتی۔ موت کا وقت اور جگہ طے ہے۔ طے شدہ وقت سے پہلے کوئی انسان مر نہیں سکتا اور جب موت کا وقت آجائے تو کوئی اُسے ٹال نہیں سکتا:

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ (آلِ عمران 3 : 145)

"کسی ذی نفس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مر جائے مگر اللہ کے حکم سے، وہ تو ایک معین وقت ہے لکھا ہوا"۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ (آلِ عمران 3: 154)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ کر رہتے"۔

6. غزوۂ اُحد کے بعد ابھی قتال کے مرحلہ میں کئی معرکے آنے تھے لہٰذا مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ حقیقت میں اللہ والے وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں بڑی پامردی سے جنگ کرتے ہیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ (آلِ عمران 3: 146-148)

"اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی تو انہوں نے ہمت نہ ہاری اُن تکالیف پر جو اُنہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ باطل کے سامنے دبے اور اللہ ایسے ہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور اُن کی دعا تو بس یہی تھی کہ وہ یہ التجا کرتے رہے کہ اے ہمارے رب! درگزر فرما ہماری خطاؤں سے اور جو بھی زیادتی ہوئی ہم سے اپنے معاملات میں اور ہمارے قدموں کو جمادے اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما۔ تو اللہ نے انہیں دنیا کا بدلہ بھی عطا فرمایا اور آخرت کا بھی بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ بدلہ دیا۔ اور اللہ ایسے ہی نیک عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

معرکہ اُحد: نازک حالات میں صبر و ثبات کا اُسوہ

نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ اللہ کا خصوصی فضل ہر وقت آپ ﷺ کے شاملِ حال تھا۔ اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کو کانٹا تک نہ چبھتا اور کبھی شکست کی صورتِ حال کا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن اِس صورت میں ہمارے لیے آپ ﷺ کے اُسوہ میں ایک کمی رہ جاتی کہ شکست کی حالت میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے؟ نبی اکرم ﷺ نے میدانِ اُحد میں جس طرح انتہائی نازک حالات میں اِستقامت کے ساتھ دادِ شجاعت دی، پھر سے مسلمانوں کو منظم کیا اور اُن کے حوصلوں کو بڑھایا، اِس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صبر و ثبات کا عظیم پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر قسم کی صورتِ حال میں صبر و اِستقامت کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

درسِ ہفتم:

غزوۂ احزاب:

آزمائش و امتحان کا نقطۂ عروج

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ
جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ
اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ
اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ؕ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ
اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ۙ

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ۚ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ
تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ؒ

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصہ پنجم کا درسِ ہفتم "غزوۂ احزاب" کے پس منظر، حالات و واقعات اور اِس موقع پر مومنین و منافقین کے طرزِ عمل کے بیان پر مشتمل ہے۔
2. غزوۂ احزاب شوال سن 5 ہجری میں ہوا۔ احزاب جمع ہے حزب کی جس کے معنی ہیں جماعت۔ اِس جنگ کو غزوۂ احزاب اِس لیے کہا جاتا ہے کہ اِس میں کئی جماعتیں یعنی قبائل کے لشکر شامل تھے۔ سورۂ احزاب کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اِس غزوہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اِن رکوعوں میں سے چند آیات کی روشنی میں ہم اِس غزوہ کی تفصیلات اور اِس ضمن میں حاصل ہونے والی رہنمائی کو سمجھیں گے۔
3. غزوۂ احزاب کے موقع پر پیش آنے والے حالات اجتماعی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے آزمائش و امتحان کا نقطۂ عروج تھے۔ اِس امتحان کے دوران دو مختلف کردار پوری طرح سے نمایاں ہوگئے۔ ایک طرف منافقین کا کردار تھا جو اُن کی بزدلی اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ سوئے ظن اور بغض و عداوت کا مظہر تھا اور دوسری طرف مومنینؓ کا کردار تھا جو اُن کے ایثار و قربانی کے جذبات، بہادری اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ زندگی کے مختلف مراحل پر ہمیں بھی امتحانات و آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اِس عارضی زندگی میں مومنانہ کردار اپنا کر ابدی راحتوں کا سامان کرتے ہیں یا منافقانہ کردار کا مظاہرہ کر کے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کو ترجیح دیتے ہیں۔

غزوۂ احزاب کا پس منظر

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی وقتی شکست کا نتیجہ یہ نکلا کہ غزوۂ بدر کے بعد قبائلِ عرب پر مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ گئی تھی وہ جاتی رہی۔ میدانِ بدر میں تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کو جو فتح مبین حاصل ہوئی تھی، اُس کا تاثر بالکل ختم ہوگیا۔ غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے تھے لیکن اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوگئے۔ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ختم ہوگیا۔ دشمنانِ اِسلام، عرب قبائل کو یہ باور

کرانے میں کامیاب رہے کہ یہ فتح وشکست کا معاملہ اتفاقی ہوتا ہے۔ کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا۔ اُحد کی شکست سے ثابت ہوا کہ اللہ کی تائید مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے۔ اِس صورتِ حال سے مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور دشمنوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ غزوۂ اُحد کے بعد کے دو سال مسلمانوں کے لیے بڑی ہی آزمائش کے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام اطراف سے دشمنوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ کئی قبائل مسلمانوں کے خلاف مہم جوئی کے منصوبے بنا رہے تھے، چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعہ مسلمانوں پر حملے اور لوٹ مار کر رہے تھے اور تبلیغ کے بہانے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے قبائل میں لے جا کر شہید کر رہے تھے۔ اِن سختیوں کا نقطۂ عروج ہے غزوۂ احزاب جو غزوۂ اُحد کے دو سال بعد پیش آیا۔

خیبر کے یہودی سرداروں نے قریش، بنو غطفان اور دیگر عرب قبائل کو اِس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر بھرپور تیاری کے ساتھ ایک مشترکہ کوشش کی جائے تو مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دے کر یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اِن سارے قبائل نے ایک مقررہ وقت اور مقررہ پروگرام کے مطابق مدینے کا رُخ کیا۔ حملہ آوروں کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ غالباً مدینے کی پوری آبادی (عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو ملا کر بھی) اِس کے برابر نہ تھی۔ اگر حملہ آوروں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر مدینے کی چہار دیواری تک اچانک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہوتا اور شاید اُن کا مکمل صفایا ہو جاتا۔

الحمدللہ! مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور چوکس تھی۔ چنانچہ کفار کے لشکر جوں ہی اپنی اپنی جگہ سے حرکت میں آئے، مدینے کے مخبرین نے اپنی قیادت کو اِس کی اطلاع فراہم کر دی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشاورت کے لیے طلب فرمایا۔

غزوۂ احزاب سے قبل مشاورت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کے منصوبوں سے آگاہ فرمایا اور دفاعی حکمتِ عملی کے حوالے سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔ مدینہ شمال کے علاوہ باقی اطراف سے لاوے کی چٹانوں اور کھجور کے باغات سے گھرا ہوا ہے۔ مدینے پر اتنے بڑے لشکر کی یورش صرف شمال ہی کی

جانب سے ہو سکتی ہے۔ اگر اِس جانب خندق کھدوالی جائے تو مدینہ کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ یہ بڑی باحکمت دفاعی تجویز تھی۔ اہلِ عرب اِس سے واقف نہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اِس تجویز کو قبول فرمایا اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔

خندق کی کھدائی

مسلمان بڑی محنت اور دلجمعی سے خندق کھود رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نہ صرف اُن کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے بلکہ عملاً اِس کام میں پوری طرح شریک بھی تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ٹھنڈی صبح خندق کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ مہاجرین و انصار کھودنے کا کام کر رہے ہیں۔ اُن کے پاس غلام نہ تھے کہ اُن کے بجائے غلام یہ کام کر دیتے۔ آپ ﷺ نے اُن کی مشقت اور بھوک دیکھ کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَة
فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

"اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے
پس مہاجرین اور انصار کو بخش دے"۔

انصار و مہاجرین نے اِس کے جواب میں کہا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

"ہم ہیں وہ کہ جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے
اِس بات کی بیعت کہ جہاد کرتے رہیں گے جب تک کہ جان میں جان ہے"۔[1]

مسلمان ایک طرف اِس گرمجوشی کے ساتھ کام کر رہے تھے تو دوسری طرف غذا کی قلت کا یہ عالم تھا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بھوک کی شدت کے باعث اندیشہ تھا کہ فاقے کی وجہ سے کہیں کمر دوہری نہ ہو جائے لہٰذا پیٹ پر پتھر باندھ لیے گئے تھے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب، عن انس رضی اللہ عنہ

"ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم دکھایا تو اُس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے"۔(1)

مسلمانوں نے خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھا۔ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر پلٹ آتے یہاں تک کہ مدینے کی دیواروں تک کفار کے لشکر جرار کے پہنچنے سے پہلے مقررہ پروگرام کے مطابق خندق تیار ہوگئی۔ یہ خندق تقریباً ساڑھے تین میل طویل، دس گز چوڑی اور پانچ گز گہری تھی۔

مدینہ پر حملہ

مدینہ پر حملہ آور ہونے والوں میں عربوں کے علاوہ یہود کے قبائل بھی شامل تھے۔ جنوب سے قریش اور اُن کے حلیف آئے، شمال سے خیبر کے یہود آئے اور مشرق سے غطفان کے قبائل آئے۔ لشکر نجد سے بھی آئے جو مدینہ سے بلندی پر واقع ہے اور بحر احمر کی طرف سے بھی آئے جو مدینہ کے مقابلے میں نشیب میں ہے۔ قرآنِ حکیم نے اِس کا ذکر اِن الفاظ میں کیا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿١١﴾

(الاحزاب 33: 10 11)

"ذرا یاد تو کرو جب وہ لشکر تم پر حملہ آور ہوئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے بھی اور جبکہ نگاہیں پتھرا رہی تھیں اور دل (خوف سے) دھڑک دھڑک کر حلق تک پہنچ رہے تھے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ یہ وقت وہ تھا جب کہ اہل ایمان کی صحیح معنوں میں آزمائش ہوگئی اور اُنہیں ہلا دیا گیا بڑی شدت کے ساتھ"۔

جب مشرکین حملے کی نیت سے مدینے کی طرف بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی خندق اُن کے اور مدینے کے درمیان حائل ہے اور مدینہ میں داخلہ ناممکن ہے۔ اب اُنہوں نے مدینہ کا پوری طرح سے محاصرہ کر لیا اور اندر داخل ہونے کی تدبیریں کرنے لگے۔

صورتِ حال اُس وقت اور خطرناک ہوگئی جب یہ اطلاع ملی کہ مدینہ کے جنوب میں آباد یہودی قبیلہ

---

(1) سنن الترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی معیشۃ أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عن أبی طلحۃ رضی اللہ عنہ

بنو قریظہ نے میثاقِ مدینہ توڑ دیا ہے اور وہ بیرونی حملہ آوروں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ یہ صورتِ حال اِس لیے نازک تھی کہ بنو قریظہ کے قلعے اُن گھروں کے بالکل ساتھ تھے جہاں خواتین اور بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اِن گھروں پر یہود کے حملے کو روکنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اب مسلمانوں کے پیچھے اور عین مدینہ کے اندر عہد شکن یہود تھے اور سامنے مشرکین کا لشکرِ جرار تھا۔

بلاشبہ یہ موقع مسلمانوں کے لیے ابتلاء اور آزمائش کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح ذاتی سطح پر طائف کے دن نبی اکرم ﷺ پر مصائب اور تکالیف کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا، بالکل اِسی طرح کا معاملہ بحیثیتِ مجموعی مسلمانوں کے لیے غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی پر جس میں چند سو گھر آباد ہوں گے، اتنا بڑا حملہ ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کہیں چٹیل میدان میں کوئی چراغ جل رہا ہو اور اُسے بجھانے کے لیے ہر طرف سے جھکڑ چل رہے ہوں۔ صورتِ حال نہایت خوفناک تھی اور ایسی تباہی نگاہوں کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی کہ آنکھیں پتھرا رہی تھیں، خوف و دہشت سے دل اچھل رہے تھے اور طرح طرح کے وسوسے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ اللہ کا نصرت کا وعدہ برحق تھا یا نہیں؟ مسلمانوں کے غلبہ کی یقین دہانیاں حقیقی تھیں یا سراب؟ عرب اور عجم کے خزانے قدموں میں آنے کی خبریں سچی بشارتیں تھیں یا سبز باغ؟ آزمائش و امتحان کے اِس کٹھن ترین مرحلے کے ذریعہ اہلِ ایمان کا ایمان پوری طرح آزما لیا گیا اور جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا اُن کی بھی بھرپور آزمائش ہو گئی۔

منافقین کا طرزِ عمل

اِس امتحان و آزمائش کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقین اور مومنینِ صادقین علیحدہ علیحدہ نمایاں ہو گئے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر جو منافقین راستے ہی سے پلٹ گئے تھے تو اُنہوں نے عہد کیا تھا کہ اگر آئندہ آزمائش کا کوئی موقع آیا تو وہ ہرگز پیٹھ نہ پھیریں گے:

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

(الاحزاب 33: 15)

"اور اُنہوں اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کے بارے میں باز پرس ہو گی"۔

غزوۂ احزاب میں جب اُحد سے بھی بڑا خطرہ سامنے آیا تو اِن منافقین کی حقیقت ظاہر ہو گئی کہ یہ لوگ اپنے اِس عہد میں کتنے مخلص اور سچے تھے۔ جو نفاق دلوں میں پوشیدہ تھا، اب زبانوں پر جاری ہو گیا:

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (الاحزاب 33 : 12)

"جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا"۔

منافقین کے اِس قول کے پس منظر میں ایک واقعہ ہے جو مسندِ احمد میں آیا ہے:

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آپڑی جس سے ٹکرا کر کدال اچھل جاتی لیکن کچھ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مشکل رکھی۔ آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اِس وقت وہاں کے سرخ محلات کو دیکھ رہا ہوں"۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا ٹوٹ گیا اور فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اِس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں"۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی کٹ گئی۔ پھر فرمایا: "اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اِس وقت اپنی اِس جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں"۔(۱)

اب منافقین کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے تو ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ رفعِ حاجت کے لیے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔ منافقین خندق کے پاس یعنی محاذِ جنگ پر کم ہی آتے تھے (لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا - الاحزاب 33 : 18) اور آ کر بھی دیگر مسلمانوں کے حوصلے پست کرتے تھے:

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (الاحزاب 33 : 13)

"اور جب اُن کی ایک جماعت نے کہا کہ اے اہل یثرب! تمہارے لیے ٹھہرنے (بچ رہنے) کا کوئی امکان نہیں لہٰذا واپس چلو (گھروں کو)"۔

---

(۱) مسند أحمد، مسند الكوفيين، حديث البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه، عن عازب رضی اللہ عنہ

بعض منافقین نبی اکرم ﷺ سے بہانہ کرتے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں لہٰذا ہمیں گھر جانے کی اجازت دیں:

وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ (الاحزاب[33]: 13)

"اور اُن میں سے ایک فریق نبی ﷺ سے اجازت مانگ رہا تھا، ہمارے گھر خالی پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ خالی نہیں پڑے تھے۔ یہ لوگ محض فرار چاہتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے اِس بزدلانہ روش پر خبردار فرمایا:

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ (الاحزاب[33]: 16)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم مرجانے یا مارے جانے سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو فائدہ نہیں دے گا اور فرار ہو کر تم زندگی کا تھوڑا ہی مزہ لے سکو گے"۔

مومنین کا طرزِ عمل

خوف اور دہشت کی صورتِ حال میں مومنوں کے طرزِ عمل کا حال اِن الفاظ میں بیان ہوا:

وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴿ؕ۲۲﴾ (الاحزاب[33]: 22)

"اور جب اہلِ ایمان نے اُن لشکروں کو دیکھا تو کہا یہی تو ہے جس کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے ہم سے کیا تھا اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے سچ ہی فرمایا تھا اور اِس (حالت) نے اُن کے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو اور بڑھا دیا"۔

اِس آیت میں وعدے سے مراد آزمائشوں اور امتحانات سے متعلق وہ پیشگی آگاہی ہے جس سے قرآنِ حکیم میں مومنوں کو بار بار خبردار فرمایا۔ مکی دور میں سن ۵ نبوی میں سورۃ العنکبوت[29] کی آیات 2 اور 3 میں فرمایا گیا:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

"کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے محض اِس لیے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو"۔

مدنی دور کے آغاز ہی میں سورۃ البقرۃ[2] میں دوبار اِس وعدے کی یاد دہانی کرائی گئی:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ (البقرۃ[2]: 155)

"اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال، جانوں اور میووں کے نقصان سے اور (اے نبی ﷺ) بشارت دیجیے صبر کرنے والوں کو"۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرۃ[2]: 214)

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت انہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

غزوۂ بدر سے پہلے سورۃ محمد ﷺ[47] میں آگاہ کیا گیا:

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ (محمد[47]: 31)

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات"۔

غزوۂ اُحد کے بعد سورۃ آلِ عمران[3] میں خبردار کیا گیا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ (آلِ عمران[3]: 142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

سورۃ الاحزاب[33] کی اگلی آیت میں سچے مومنوں کے کردار کا کیا خوب نقشہ کھینچا گیا:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ (الاحزاب 33:23)

"مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

نذر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جان قربان کر چکے اور کچھ ایسے ہیں جو بے تاب ہیں کہ اپنے شانوں پر رکھا ہوا بوجھ گردن کٹوا کر اتار دیں اور سبک دوش ہو جائیں۔

وبالِ دوش ہے سر جسمِ ناتواں پہ مگر
اُٹھا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے

وہ عہد سورۃ التوبۃ[9] آیت 111 میں بیان ہوا ہے کہ جس کو پورا کرنے کے لیے کچھ جواں مرد جامِ شہادت نوش کر چکے اور کچھ اِس سعادت کے حصول کے لیے بے چین ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کیے جاتے ہیں"۔

اِس عہد کو نبھانے کے لیے ضروری ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جانے والی راہ پر چلا جائے تاکہ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ کی سعادت حاصل کی جاسکے۔ اِس کے لیے سب سے پہلے تو اللہ سے شہادت کی موت کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

وَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الْقَتْلَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهِ صَادِقًا ثُمَّ مَاتَ أَوْ قُتِلَ فَلَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ [1]

"جو شخص صدقِ دل سے اللہ سے شہادت طلب کرتا رہے گا تو چاہے وہ مر جائے یا مار دیا جائے، پس اُس کے لیے شہید ہی کا اجر ہوگا"۔

---

(1) سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب ثواب من قاتل في سبيل الله فواق ناقة، سنن الترمذی، کتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ما جاء فيمن سأل الشهادة... عن معاذ بن جبل رضي الله عنه

البتہ دعا کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ ایسا عمل جس کے ذریعہ قتال فی سبیل اللہ کے مرحلہ تک پہنچنے کی بھرپور تیاری کی جاسکے۔ انفرادی زندگی بسر کرنے سے یہ مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف کسی جماعت سے وابستہ ہو کر فعال طریقہ سے کام کیا جائے تاکہ تحریک تصادم کے مرحلہ تک پہنچ سکے۔ نبی اکرم ﷺ نے 15 برس تک یہ تیاری کی۔ دعوت کے ذریعہ ایک جماعت فراہم کی اور تربیت کے ذریعہ اُسے مستحکم کیا۔ نبوت کے ظہور کے 15 برس بعد پھر بدر کے معرکہ سے قتال فی سبیل اللہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

آیت کے آخری حصہ میں مومنوں کی خاص شان بیان ہوئی کہ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا "اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔ اِیفائے عہد ایک انسان کے اعلیٰ کردار کی علامت ہے۔ ہم سب نے کلمہ پڑھ کر اپنا مال اور اپنی جان اللہ کے سپرد کر دینے کا عہد کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ اِس عہد کو پورا کرنے کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا مثالی اُسوہ

سورۃ الاحزاب[33] میں غزوۂ احزاب سے متعلق بیان کے عین وسط میں سیرت النبی ﷺ کے عملی پہلو کے حوالے سے عظیم ترین آیت وارد ہوئی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب[33]: 21)

"یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں بہترین نمونہ ہے، اُس کے لیے جو طلب گار ہو اللہ کا، آخرت کے دن (سرخروئی) کا اور یاد کرتا ہو اللہ کو کثرت سے"۔

نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اِس قدر جامعیت کی حامل ہے کہ آپ ﷺ کئی حیثیتوں میں ہر دور کے انسانوں کے لیے اُسوۂ کامل ہیں۔ آپ ﷺ تاریخِ انسانی کی واحد ہستی ہیں جو بحیثیت والد، شوہر، داماد، خسر، پڑوسی، تاجر، معلم، مربی، خطیب، امام مسجد، داعی، امیر جماعت، سپہ سالار، فاتح، حکمران، قاضی ایک کامل نمونہ ہیں۔

آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تو قرآنِ حکیم ہے لیکن آپ ﷺ کی ہمہ گیر حیاتِ طیبہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے جو زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے کے اعتبار سے ایک کامل عملی رہنمائی ہے۔ البتہ یہ

بات غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں اسوۂ حسنہ کے الفاظ کس سیاق وسباق میں آئے ہیں۔ یہ اُسوہ حسنہ وہ ہے جو ہمیں غزوۂ احزاب میں نظر آتا ہے۔ وہ صبر وثبات، اللہ کے دین کے لیے سرفروشی اور جاں فشانی اور حال یہ تھا کہ جانثاروں کے شانہ بشانہ اور قدم بقدم ہی نہیں بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر ہر مشقت میں آپ ﷺ شریک تھے۔ کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اُٹھائی ہو اور آپ ﷺ نے نہ اٹھائی ہو۔ ایسا نہیں تھا کہ کہیں خیمہ لگا دیا گیا ہو اور قالین بچھا دیے گئے ہوں اور وہاں آپ ﷺ آرام فرما رہے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی خندق کھودنے کے لیے کدالیں چلا رہے ہوں۔ بلکہ معاملہ یہ تھا کہ خندق کھودنے والوں میں آپ ﷺ بھی شامل ہیں۔ سردی اور بھوک کی تکالیف اٹھانے میں آپ ﷺ برابر کے شریک ہیں۔ کفار کے محاصرے کے دوران آپ ﷺ ہر وقت خندق کے پاس موجود رہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکان سے چُور ہو کر پتھر کا تکیہ بنا کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کی خاطر لیٹ جاتے تھے، اُسی طرح آپ ﷺ بھی وہیں کھلی زمین پر کچھ دیر کے لیے پتھر پر سر رکھ کر آرام فرما لیا کرتے تھے۔ بنو قریظہ کی طرف سے عہد شکنی کے بعد جس خطرے میں سب مسلمانوں کے اہل وعیال مبتلا تھے، اُسی سے آپ ﷺ کے اہل بیت بھی دوچار تھے۔

یہ ہے وہ صورتِ حال جس میں فرمایا گیا "تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں بہترین نمونہ ہے"۔ ہم چھوٹی چھوٹی سنتوں کی کسی درجہ میں پیروی کر کے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم اُسوۂ محمدی ﷺ پر عمل پیرا ہیں۔ ویسے تو ہر چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی ایک نور ہے اور لائق اتباع ہے لیکن ترجیح دینی چاہیے دین کی دعوت اور اقامت کے لیے سرفروشی، ایثار اور محنت ومشقت والے بڑے اُسوہ کو۔ اگر یہ چھوٹی سنتیں اُس اصل اور بڑے اُسوہ پر عمل کے لیے اوٹ بن جائیں تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ بڑے اُسوہ کی پیروی کے ساتھ اِن چھوٹی سنتوں پر عمل نورٌ علیٰ نور ہے۔

اِس آیت میں یہ وضاحت بھی آئی کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں اُسوہ اُن کے لیے ہے جو اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کے طلب گار ہوں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔ نبی اکرم ﷺ اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ اب اگر ہمیں اللہ کی محبت اور نظرِ کرم چاہیے تو اِس کے لیے اللہ کے محبوب بندے ﷺ کی اتباع کرنی ہوگی:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آلِ عمران 3 : 31)

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا"۔

اِسی طرح آخرت میں وہی عمل مقبول ہو گا جو نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہو۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ کے احکامات اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ جس شخص کو اللہ سے محبت ہی نہیں، جسے آخرت کے محاسبہ کا خوف ہی نہیں اور جو جملہ معاملاتِ زندگی میں خود کو آزاد سمجھتا ہے، اُسے نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اللہ ہمیں اِس محرومی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

کفار سے مقابلہ

نبی اکرم ﷺ نے اِس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ کفار خندق نہ پار کر سکیں، اپنے تین ہزار ساتھیوں کی خندق کے ساتھ ساتھ مورچہ بندی فرمائی۔ کفار کے لشکر خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگے۔ دفاع کا یہ منصوبہ اُن کے لیے بالکل نیا تھا۔ مجبوراً اُنہیں مدینہ کا محاصرہ کرنا پڑا لیکن اُنہیں ایسے کمزور حصے کی تلاش تھی جہاں سے وہ خندق عبور کر سکیں۔ دوسری طرف مسلمان دن رات چوکس تھے، کفار کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اُن پر تیر برساتے رہتے تھے تاکہ اُنہیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو، وہ اِس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بنا سکیں۔

اُدھر قریش کے شہسواروں کو گوارا نہ تھا کہ خندق کے پاس محاصرے کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ پڑے رہیں۔ یہ اُن کی عادت اور شان کے خلاف بات تھی۔ چنانچہ اُن کی ایک جماعت نے جس میں عمرو بن عبدِ وُدّ، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ شامل تھے ایک تنگ مقام سے خندق پار کر لی۔ اِدھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور مشرکین کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ اِس پر عمرو بن عبدِ وُدّ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کے لیے سامنے آ گیا۔ وہ بڑا بہادر اور شہ زور پہلوان تھا۔ دونوں میں پُر زور ٹکر ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کیے۔ بالآخر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باقی مشرکین اِس قدر مرعوب ہوئے کہ بھاگ کر خندق کے پار چلے گئے۔

مشرکین نے خندق پار کرنے یا اِسے پاٹ کر راستہ بنانے کی کئی بار کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ایسی پامردی سے اُن پر تیر برسائے کہ اُن کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔

کفار کی ذلت آمیز شکست اور واپسی

الحمد للہ! اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد کفار کے لشکر شکست کھا گئے اور اُنہیں ذلت کے ساتھ واپس لوٹنا پڑا۔ ہوا یہ کہ بنو غطفان کے ایک صاحب نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اِسلام لانے کا علم نہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی حکم فرمایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی حکمتِ عملی اختیار کرو کہ بنو قریظہ اور کفار کے لشکروں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے اور وہ مل کر ہمارے خلاف اقدام نہ کر سکیں۔

حضرت نُعیم رضی اللہ عنہ فوراً ہی بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ جاہلیت میں اُن سے اِن کا بڑا میل جول تھا۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے کہا، آپ لوگ جانتے ہیں کہ میرا آپ لوگوں سے ایک خصوصی تعلق رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا محاصرہ کرنے والے لشکروں کا معاملہ آپ سے مختلف ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کا گھر بار ہے، مال و دولت ہے، بال بچے ہیں۔ آپ اِسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے۔ مگر قریش و غطفان باہر سے جنگ کرنے آئے ہیں۔ اُن کا بس چلا تو وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کریں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر رخصت ہو جائیں گے۔ پھر یہاں آپ لوگ ہوں گے اور مسلمان۔ وہ جیسے چاہیں گے آپ سے انتقام لیں گے۔ قریش جب تک آپ لوگوں کو اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں، آپ اُن کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ قریظہ نے کہا آپ کی رائے بہت مناسب ہے۔

اِس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس پہنچے اور کہا بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی پر نادم ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمال حاصل کر کے اُن کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے اور پھر مسلمانوں سے اپنے تعلقات استوار کر لیں گے۔ لہٰذا اگر وہ یرغمال طلب کریں تو آپ ہر گز نہ دیں۔

اِس کے بعد جب قریش نے بنو قریظہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہمیں اب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے تو بنو قریظہ نے جواب دیا کہ آپ لوگ جب تک اپنے کچھ آدمی ہمیں بطورِ یرغمال نہ دے دیں ہم حملہ نہیں کریں گے۔ قریش اور غطفان کو یقین ہو گیا کہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کا خدشہ درست تھا۔ انہوں نے یرغمال دینے سے انکار کر دیا اور اِس طرح دونوں فریقوں کا اعتماد ایک دوسرے سے اُٹھ گیا۔ اُن کی صفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ اِس دوران مسلمان اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کر رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (۱)

"اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ (۲)

"اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے، اِن لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! اِنہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے"۔

بالآخر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دُعائیں سن لیں۔ چنانچہ مشرکین کی صفوں میں پھوٹ پڑ جانے اور بد دلی و پست ہمتی سرایت کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس نے اُن کی ہانڈیاں الٹ دیں، خیمے اکھاڑ دیے اور کسی چیز کو قرار نہ رہا۔ اِس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جس نے اُنہیں ہلا ڈالا اور اُن کے دلوں میں رُعب اور خوف ڈال دیا۔ اللہ نے دشمن کو کسی خیر کے حصول کا موقع دیے بغیر رسوا کر کے واپس لوٹا دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟ۚ (الاحزاب 33 : 9)

"اے اہل ایمان! اللہ کی اِس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم پر لشکر حملہ آور ہوئے تھے تو ہم نے اُن پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر بھیجے کہ جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے، اور اللہ دیکھ رہا تھا اُسے جو کچھ تم کر رہے تھے"۔

---

(۱) مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة، عن عبد الله بن أبي أوفى رضی اللہ عنہ

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ (الاحزاب 33 : 25)

"اور اللہ نے پھیر دیا کفار کو اُن کے دل کی جلن اور غصہ کے ساتھ، وہ کوئی خیر نہ پا سکے اور اللہ کافی ہو ااہلِ ایمان کی طرف سے قتال کے لیے اور اللہ بڑی قوت و اختیار والا ہے"۔

کفار کا یہ متحدہ محاذ قدرتِ الٰہی کا کاری وار سہہ نہ سکا اور صبح صادق سے قبل ہی ہر ایک نے اپنی اپنی راہ پکڑی۔ صبح جب مسلمان اُٹھے تو میدان خالی تھا۔ کفار نے اِس مہم کے لیے جتنی سفارتی کوششیں کی تھیں، سفر کیے تھے، مال خرچ کیا تھا اور مشقت اُٹھائی تھی، سب کچھ برباد ہو گیا۔ اللہ نے اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندوں کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

غزوۂ بنو قریظہ

سورۃ الاحزاب 33 میں غزوۂ احزاب کے ذکر کے بعد غزوۂ بنو قریظہ کا تذکرہ ہے۔ یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے تحقیق کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند ساتھیوں کو بھیجا۔ جب یہ لوگ بنو قریظہ کے قریب پہنچے تو انہیں انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ اُنہوں نے گالیاں دیں اور نبی اکرم ﷺ کی توہین کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے واپس آکر نبی اکرم ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

جس روز کفار کے لشکر لوٹ گئے تو آپ ﷺ گھر تشریف لے آئے۔ اُسی روز ظہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا "کیا آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے حالانکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔ اُٹھیے اور اپنے رفقاء کو لے کر بنو قریظہ کا رُخ کیجیے"۔ آپ ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اِس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرما دیا۔[1]

مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر تین ہزار ساتھیوں پر مشتمل اِسلامی لشکر بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچا اور بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے۔ اُن

(۱) صحيح البخاری، کتاب المغازی، باب مَرْجِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَحْزَابِ وَمَخْرَجِهِ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا

کے قلعے انتہائی مضبوط اور محفوظ تھے۔ اُن کے پاس وافر مقدار میں خوراک کا ذخیرہ تھا اور پانی کے کئی چشمے اور کنوئیں تھے۔ دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں تھے، خون منجمد کر دینے والی سردی برداشت کر رہے تھے، بھوک کی سختیاں جھیل رہے تھے اور غزوۂ احزاب میں مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چُور چُور تھے۔ لیکن اللہ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ دورِ جاہلیت میں بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ آپ ﷺ نے اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ احزاب کے دوران زخمی ہو گئے تھے۔ اُنہیں خصوصی طور پر فیصلہ کرنے کے لیے لایا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِن کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور اموال مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہی فیصلہ ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ انتہائی عدل و انصاف پر مبنی تھا کیوں کہ:

1. مسلمانوں نے غزوۂ احزاب میں دیکھ لیا کہ یہودی قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر کو عہد شکنی کی سزا کے طور پر مدینہ سے جلا وطن کیا گیا تو وہ گرد و پیش کے سارے قبائل کو بھڑکا کر قریش کی سرکردگی میں تقریباً دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہو گئے۔
2. بنو قریظہ نے ایسے موقع پر عہد شکنی کی جب مسلمان موت و حیات کے نازک ترین لمحات سے دوچار تھے۔
3. اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اقدام کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زِرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں، جن پر فتح کے بعد مسلمانوں نے قبضہ کیا۔

اِس فیصلے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کے تمام جوان افراد کی گردنیں مار دی گئیں جن کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ آپ ﷺ کی پوری جد و جہد کے دوران اجتماعی قتلِ

(1) المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الجهاد، باب وَأَمَّا حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيِّ، عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

عام اور سخت ترین سزا کا یہی ایک واقعہ تھا جو بنو قریظہ کے ساتھ ہوا۔ سورۃ الاحزاب[33] میں غزوۂ بنو قریظہ کا ذکر اِس طرح ہوا:

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (الاحزاب[33]: 2726)

"اور اللہ اتار لایا اہلِ کتاب میں سے اُن کو جنہوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا اُن کے قلعوں میں سے، اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اُن کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے اور ایک فریق کو اسیر بنا رہے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دے دیا جسے ابھی تم نے قبضہ میں نہیں لیا (یعنی خیبر) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

ایک اہم نکتہ:

نبی اکرم ﷺ نے بنو قریظہ کی طرف روانگی سے قبل ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ عصر کی نماز قریظہ کے علاقے میں جا کر پڑھیں۔ لشکر ابھی راستے ہی میں تھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اب ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا نبی اکرم ﷺ کے حکم کا مقصود یہ نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں بلکہ یہ تھا کہ ہم جلد از جلد روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا اِس گروہ نے راستے ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی۔ دوسرے نے کہا ہم یہ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے حکم کا مقصود کیا تھا؟ ہم تو حکم کے الفاظ پر عمل کریں گے۔ لہٰذا اُنہوں نے بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچ کر عصر کی قضا نماز ادا کی۔ جب یہ معاملہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے کسی بھی فریق کو غلط نہیں کہا۔[1]

ہمارے ہاں دو مکاتبِ فکر ہیں۔ ایک مکتبِ فکر ہے اصحاب الرّائے کا جو اجتہاد کے ذریعہ شریعت کے حکم کی حکمت و عِلّت جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور اُس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ دوسرے ہیں جو اصحاب الحدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہر حکم کے ظاہری الفاظ کی پیروی کرنے کے قائل ہیں۔ مذکورہ بالا

(1) صحيح البخاري، كتاب الْمَغَازِي، باب مَرْجِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَحْزَابِ وَمَخْرَجِهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنه

واقعہ سے ثابت ہوا کہ اگر نیت تعمیلِ حکم اور اتباعِ شریعت کی ہے تو دونوں فریق حق پر ہیں۔ لہٰذا ہمیں دل میں کشادگی پیدا کر کے، فقہی معاملات میں اِس طرح کے اختلافات کو برداشت کرنا چاہیے۔

غزوۂ احزاب - ایک فیصلہ کن موڑ

غزوۂ احزاب کو نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد میں ایک فیصلہ کن موڑ (Turning Point) کی حیثیت حاصل ہے۔ غزوۂ احزاب میں کوئی خونریز معرکہ پیش نہیں آیا اور یہ درحقیقت ایک اعصاب کی جنگ ثابت ہوئی۔ اِس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی قوت مسلمانوں کی اِس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشو نما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔ غزوۂ احزاب میں کفار نے جتنی بڑی طاقت فراہم کی تھی، اب اُس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے اِس غزوہ سے واپسی کے بعد ارشاد فرمایا:

اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ (۱)

"اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر اُن کی طرف جائے گا"۔

غزوۂ احزاب کے بعد کے واقعات نے اِس ارشادِ نبوی ﷺ کی صداقت کو ثابت کر دیا۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الأحزاب، عن سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ

درسِ ہشتم:
صلح حدیبیہ
فتح و نصرت کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا
يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۠﴿۱۰﴾

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ
مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ
فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ
وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۠﴿۲۹﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ ہشتم "صلح حدیبیہ" کے پس منظر، حالات و واقعات اور نتائج کے بیان پر مشتمل ہے۔
2. صلح حدیبیہ کے نام سے ایک معاہدہ سن 6 ہجری میں مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے درمیان منعقد ہوا۔ قرآنِ حکیم میں سورۃ الفتح[48] تقریباً کل کی کل صلح حدیبیہ کے حالات و واقعات سے بحث کرتی ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ کی چند آیات کی روشنی میں ہم اِس صلح سے متعلق بعض اہم نکات کو سمجھیں گے۔
3. عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دینِ حق کے غلبے کے اعتبار سے اہم ترین واقعہ فتح مکّہ کا ہے، لیکن قرآنِ حکیم نے اِس سے زیادہ اہمیت صلح حدیبیہ کو دی اور اِس واقعہ پر ایک پوری سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ فتحِ عظیم اور فتحِ مبین دراصل صلح حدیبیہ ہی تھی۔ اِس کے بعد حالات اِس تیزی سے مسلمانوں کے حق میں تبدیل ہوئے کہ یہ صلح اُس فتح مکّہ کی تمہید ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں سرزمینِ عرب پر اسلام کا بول بالا ہو گیا۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

غزوۂ احزاب سن 5 ہجری میں واقع ہوا۔ یہ درحقیقت کفار کی طرف سے اِسلام کے خلاف فیصلہ کن اقدام کی ایک متحدہ کوشش تھی۔ اِس کے لیے اُنہوں نے اتنی بھرپور تیاری کی تھی کہ اب دوبارہ اِسی طرح کا اہتمام کرنا ممکن نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا۔ آپ ﷺ نے اِس صورتِ حال کا صحیح صحیح اندازہ کر لیا اور غزوۂ احزاب میں کفار کی رسواکن پسپائی کے بعد اعلان فرما دیا کہ:

اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ[1]

"اب ہم اُن پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر اُن کی طرف جائے گا"۔

سن 6 ہجری میں اللہ نے آپ ﷺ کو خواب دکھلایا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ

(1) صحیح البخاری، کتاب المَغَازِی، باب غَزْوَةِ الْخَنْدَقِ وَهِيَ الْأَحْزَابُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ رضی اللہ عنہ

بیت اللہ میں عمرہ ادا فرما رہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ گویا خواب کے ذریعہ آپ ﷺ کو عمرہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اِس خواب کی اطلاع دی تو اُنہیں بڑی مسرت ہوئی۔ اِس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ اور اطراف کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ لوگ آپ ﷺ کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوں۔ ذی القعدہ ۶ھ میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اِس مبارک سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے صرف مسافرانہ ہتھیار ساتھ رکھے یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا۔ ذو الحلیفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، اونٹوں کے کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو اطمینان رہے کہ آپ ﷺ جنگ نہیں کریں گے۔ اِس کے باوجود قریش نے جاہلی حمیت کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو عمرے کی ادائیگی سے روک دیا۔ البتہ وہ مسلمانوں کے جذباتِ صادقہ اور پختہ عزائم دیکھ کر صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اِسی صلح کو تاریخ اسلام میں "صلح حدیبیہ" کہا جاتا ہے۔

مشرکینِ مکّہ کی طرف سے مزاحمت

قریش کو جب رسول اللہ ﷺ کی مکہ کی طرف آمد کا علم ہوا تو اُن کیلیے صورتِ حال بڑی نازک بن گئی۔ اگر وہ مسلمانوں کو مکّہ میں داخلے کی اجازت دیتے ہیں تو گویا ایسا کرنا مسلمانوں کے دین کی بھی دیگر ادیان کی طرح الگ حیثیت تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہ قریش کے لیے کھلی شکست تھی جسے قبول کرنے کیلیے اُن کی جھوٹی انا تیار نہ تھی۔ اگر قریش مسلمانوں کو عمرے کی ادائیگی سے روکتے ہیں تو پورے عرب میں بدنامی ہوتی ہے کہ اُنہوں نے ایسی جماعت کو عمرے سے روکا ہے جو بغیر ہتھیاروں کے حالتِ احرام میں عمرے کیلیے آئی تھی۔ اِس مسئلہ پر اُنہوں نے مشاورت کی اور بالآخر یہ طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو بیت اللہ سے دُور رکھا جائے۔ اِس مقصد کے لیے اُنہوں نے خالد بن ولید کو، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، دو سو سواروں کے دستہ کے ساتھ بھیجا۔

مسلمان مکہ جانے والی مرکزی شاہراہ پر چلتے رہے اور اُنہیں قریش کے عزائم کی اطلاع مل گئی۔ ایک مقام پر رک کر مسلمان نمازِ ظہر ادا کر رہے تھے کہ خالد بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ آپہنچے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمان رکوع اور سجدے کر رہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ لوگ غافل تھے ہم نے

حملہ کر دیا ہوتا تو اُنہیں مار لیا ہوتا۔ اُنہوں نے طے کیا کہ عصر کی نماز میں مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے۔ اللہ نے اِسی دوران صلوٰۃ الخوف (حالتِ جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم سورۃ النساء[4] کی آیت 102 میں نازل فرما دیا اور خالد بن ولید کے ہاتھ سے اقدام کا موقع جاتا رہا۔

آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ مکہ کی طرف جانے والی مرکزی شاہراہ پر قریش کا دستہ راستہ روکنے کے لیے کھڑا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے راستہ میں تھوڑی سی تبدیلی کی اور آگے جا کر حدیبیہ کی وادی میں ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

قریش کی طرف سے ایلچیوں کی آمد

رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال چکے تو بنو خزاعہ کا سردار بُدَیل بن ورقاء اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اُسے قریش کے لیے پیغام دیا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑائیوں نے تھکا دیا ہے اور سخت ضرر پہنچایا ہے۔ اِس لیے اگر وہ چاہیں تو میں اُن سے ایک مدت طے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ پھر میرے غلبے کی صورت میں، جس چیز (میری اطاعت) میں لوگ داخل ہوں گے اُس میں وہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مدت کے اختتام تک وہ تازہ دم تو ہو ہی چکے ہوں گے۔ اگر اُنہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اپنے دین کے معاملے میں اُن سے اُس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ میری گردن جدا نہ ہو جائے یا جب تک اللہ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔ (۱)

اِس کے بعد بنو کنانہ کا ایک فرد حلیس بن علقمہ ایلچی بن کر آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اُسے دیکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "یہ شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہَدی (قربانی) کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اُس کا استقبال کیا۔ اُس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ! اِن لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور بولا میں نے ہَدی

(۱) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خَبَرُ الإِفْكِ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ (سَنَةَ سِتٍّ)، باب بُدَيْلٌ وَرِجَالُ خُزَاعَةَ بَيْنَ الرَّسُولِ وَقُرَيْشٍ

کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلادے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں۔ اِس لیے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اُنہیں بیت اللہ سے روکا جائے۔ قریش اُس کی باتوں سے خوش نہ ہوئے۔ (۱)

آخر کار قریش نے ایک بڑے زیرک سردار عروہ بن مسعود ثقفی کو صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دورانِ گفتگو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے تعلقِ خاطر کے مناظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب وہ اپنے رفقاء کے پاس واپس آیا تو بولا:

"اے قوم! بخدا میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں، بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر تھوک پڑتا تھا اور وہ شخص اِسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا۔ جب وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اُس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے تھے۔ جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ جب کوئی بات بولتے تھے، سب آوازیں پست کر لیتے تھے۔ وہ فرطِ تعظیم کے سبب اُنہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اُنہوں نے تمہارے سامنے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے، لہٰذا اُسے قبول کر لو"۔ (۲)

مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی کوشش

جب قریش کے پُرجوش نوجوانوں نے دیکھا کہ اُن کے بڑے صلح کی طرف مائل ہیں تو اُنہوں نے صلح میں ایک رخنہ اندازی کا پروگرام بنایا۔ طے کیا کہ رات کو یہاں سے نکل کر چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس جاؤ اور ایسا ہنگامہ برپا کرو کہ جنگ کی آگ بھڑک اُٹھے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں ستر یا اسّی نوجوانوں نے مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی۔ پہرے پر مامور صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمانڈر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اِن سب کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں نبی اکرم ﷺ

(۱) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خبر الإفك في غزوة بني المصطلق (سنۃ ست) باب الحُلَيْس رسول من قريش إلى الرسول

(۲) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خبر الإفك في غزوة بني المصطلق (سنۃ ست) باب عروة بن مسعود رسول من قريش إلى الرسول

نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا(۱)۔ اسی بارے میں اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (الفتح 48 :24)

"وہی ہے (اللہ) جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روکے، اِس کے بعد کہ وہ تم کو اُن پر قابو دے چکا تھا"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ اور بیعتِ رضوان

نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ایک سفیر روانہ فرمائیں جو قریش کے سامنے وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد کا مقصد اور صلح کی تجویز بیان کر دے۔ اِس مقصد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے منتخب فرمایا(۲)۔ سعید بن عاص نامی ایک شخص اپنی پناہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ لے گیا۔ وہاں جا کر آپ نے سربراہانِ قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ اِس سے فارغ ہو چکے تو قریش نے پیشکش کی آپ رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر لیں مگر آپ نے یہ پیشکش مسترد کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرنے سے پہلے خود طواف کر لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی سفارت کی مہم پوری کر چکے تھے لیکن قریش نے اُنہیں اپنے پاس روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ پیش آمدہ صورتِ حال پر باہم مشورہ کر کے کوئی قطعی فیصلہ کر لیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُن کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دے کر واپس کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیر تک رُکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اُنہیں شہید کر دیا گیا ہے(3)۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اِس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کو شدید رنج ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے بیعت کی دعوت دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے بیٹھ

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خَبَرُ الْإِفْكِ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ (سَنَةَ سِتٍّ)، باب النَّفَرُ الْقُرَشِيُّونَ الَّذِينَ أَرْسَلَتْهُمْ قُرَيْشٌ لِلْعُدْوَانِ ثُمَّ عَفَا عَنْهُمُ الرَّسُولُ

(۲) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خَبَرُ الْإِفْكِ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ (سَنَةَ سِتٍّ)، باب عُثْمَانُ رَسُولُ مُحَمَّدٍ إِلَى قُرَيْشٍ

(۳) سیرۃ ابن ہشام، کتاب خَبَرُ الْإِفْكِ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ (سَنَةَ سِتٍّ)، باب إِشَاعَةُ مَقْتَلِ عُثْمَانَ

گئے اور باری باری صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ جان دے دیں گے لیکن میدانِ جنگ چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے (۱)۔ ایک منافق جد بن قیس کے علاوہ تمام صحابہ نے بیعت کی۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور اُن کی طرف سے بھی بیعت کی۔ جب بیعت مکمل ہو چکی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور اُنہوں نے بھی بیعت کی۔ اِس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے اور اِسی کا ذکر اللہ نے سورۃ الفتح 48 میں دو بار کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الفتح 48 :10)

"بے شک جو لوگ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ در اصل اللہ کے ساتھ بیعت کر رہے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر جس نے عہد کو توڑا تو اِس کا وبال اُسی پر ہو گا اور جو اُس بات کو جس کا اُس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اُسے عنقریب اجرِ عظیم دے گا"۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح 48 :18)

"اللہ راضی ہو گیا اُن مومنوں سے جو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے"۔

صلح اور اُس کی یک طرفہ شرائط

قریش کو جب مسلمانوں کی اِس بیعت علی الموت کی اطلاع ملی تو وہ انتہائی مرعوب ہو گئے اور اُنہوں نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی۔ اب اُنہوں نے صلح کے معاملات طے کرنے کے لیے اپنے ایک سردار سہیل بن عمرو کو روانہ کیا۔ سہیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور آخر کار صلح کے لیے حسبِ ذیل دفعات طے ہو گئیں (۲):

1. مسلمان اِس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال عمرے کے لیے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے۔

(۱) سیرۃ ابن ھشام، کتاب بَیْعَۃُ الرِّضْوَانِ، باب مُبَایَعَۃُ الرَّسُوْلِ النَّاسَ عَلَی الْحَرْبِ وَتَخَلُّفُ الْجَدِّ
(۲) سیرۃ ابن ھشام، کتاب بَیْعَۃُ الرِّضْوَانِ، باب اِرْسَالُ قُرَیْشٍ سُھَیْلًا اِلَی الرَّسُوْلِ لِلصُّلْحِ

2. ہر قبیلہ کو اختیار ہو گا کہ وہ اگر چاہے، تو مسلمانوں کا حلیف بن جائے یا قریش کا حلیف بن جائے۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہو گا، اُسی کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اُس فریق پر زیادتی متصور ہو گی۔
3. قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر مدینہ جائے گا، مسلمان اُسے واپس کر دیں گے لیکن جو شخص مدینہ سے بھاگ کر پناہ کی غرض سے مکہ آئے گا، اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔
4. صلح کا یہ معاہدہ دس سال تک جاری رہے گا۔ فریقین جنگ بند رکھیں گے اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کی آمد

صلح کی شرائط طے ہو گئیں اور اب اُنہیں لکھنے کی تیاری ہو رہی تھی کہ عین اُس وقت سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آ پہنچے۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور اہلِ مکہ نے اُنہیں قید کر رکھا تھا۔ اُنہوں نے حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں کے سامنے قریش کے ظلم و ستم کی فریاد کی۔ سہیل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اِسے صلح کے مطابق واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تو ہم نے صلح نہیں لکھی۔ اُس نے کہا اِسے واپس کر دیں ورنہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاملہ نہیں کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اِسے میری خاطر چھوڑ دو۔ اُس نے انکار کر دیا اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کے چہرے پر طمانچہ مارا اور اُن کے کرتے کا گلا پکڑ کر مشرکین کی طرف گھسیٹا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ زور زور سے چیخ کر کہنے لگے مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو جندل رضی اللہ عنہ! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں، اُن سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے اُن کو اور اُنہوں نے ہم کو اِس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے، اس لیے ہم بد عہدی نہیں کر سکتے"۔ (1)

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، کتاب بَیْعَةُ الرِّضْوَانِ، باب مَا أَهَمَّ النَّاسَ مِنَ الصُّلْحِ وَمَجِيءُ أَبِي جَنْدَلٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمیتِ دینی

صلح کی شرائط تحریر کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اِس پر سہیل نے کہا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟، لہٰذا لکھا جائے بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ (اے اللہ تیرے نام سے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اِس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا کہ یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسولُ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مصالحت کی۔ اِس پر سہیل نے کہا اگر ہم مانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہٰذا آپ محمد بن عبد اللہ لکھوائیے[1]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ محمد بن عبد اللہ لکھیں اور "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دینی حمیت کی وجہ سے گوارا نہ کیا کہ اِن الفاظ کو مٹائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ وہ الفاظ کہاں ہیں اور پھر اپنے دستِ مبارک سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیے۔ اِس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔[2]

مسلمانوں کی ہیجانی کیفیت

صلح کی یک طرفہ شرائط سے مسلمان صاف محسوس کر رہے تھے کہ کفار سے مصالحت کسی قدر دب کر کی جا رہی ہے۔ پھر ابو جندل رضی اللہ عنہ کے واقعہ اور صلح کو تحریر کرنے کے دوران سہیل کے اعتراضات نے مسلمانوں کے اضطراب و بے چینی کو اور بڑھا دیا۔ دو باتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو شدید صدمہ تھا۔ ایک یہ کہ مسلمان اتنے قریب آ کر بیت اللہ کی زیارت، طواف اور عمرہ کی ادائیگی سے محروم رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کا دباؤ قبول کیا اور دب کر صلح کی؟ یہ دونوں باتیں ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور گمان و وسوسے پیدا کر رہی تھیں۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، کتاب بَیْعَۃُ الرِّضْوَانِ، باب عَلِیٌ یَکْتُبُ شُرُوطَ الصُّلْحِ

(۲) سیرۃ ابن ہشام، کتاب وَمِنْ مُسْنَدِ بَنِی هَاشِمٍ باب بِدَایَۃُ مُسْنَدِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْعَبَّاسِ رضی اللہ عنہ

سب سے زیادہ غم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تھا۔ اُنہوں نے خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُنہوں نے کہا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور اُن کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اُنہوں نے کہا تو پھر کیوں ہم اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور اُن کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اُس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا"۔ اُنہوں نے کہا، کیا آپ ﷺ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اُس کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اِسی سال کریں گے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم بیت اللہ تک ضرور پہنچو گے اور اُس کا طواف کرو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساری زندگی نبی اکرم ﷺ سے اپنے اس طرزِ گفتگو پر افسوس کرتے رہے لیکن اُن کے یہ جذبات درحقیقت غیرتِ ایمانی اور حق کے لیے حمیت کا مظہر تھے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں نے اُس روز جو غلطی کی تھی اور جو بات کہہ دی تھی، اُس سے ڈر کر میں نے بہت سے اعمال کیے۔ برابر صدقہ و خیرات کرتا رہا، روزے رکھتا رہا، نوافل پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ اب مجھے خیر کی اُمید ہے۔[1]

مجموعی طور پر تمام مسلمانوں کے شدتِ جذبات کا یہ عالم تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح کی شرائط لکھوا کر فارغ ہو چکے تو فرمایا اُٹھو اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اُٹھا۔ آپ ﷺ اپنے خیمہ میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ساتھیوں کے طرزِ عمل کا شکوہ کیا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ اپنا جانور ذبح کر دیجیے اور اپنا سر حلق کرا لیجیے اور احرام کھول دیجیے۔ جب آپ ﷺ نے ایسا کر لیا تو اب لوگوں نے بھی اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے، سر حلق کرائے اور احرام کی حالت سے نکل آئے۔ دراصل لوگ حالتِ منتظرہ میں تھے۔ اُنہیں امید سی تھی کہ شاید عمرہ

---

(1) سیرۃ ابن ہشام، کتاب بیعۃ الرضوان، باب عمر ینکر علی الرسول الصلح

ادا کرنے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے احرام کھول دیا تو اب تمام امیدیں ختم ہو گئیں اور سب نے آپ ﷺ کی پیروی کی۔ (1)

مسلمان انتہائی غم و یاس کے ساتھ مدینہ واپس روانہ ہوئے تو اللہ کی طرف سے اُن کی دلجوئی کے لیے سورۃ الفتح 48 نازل ہوئی جس کا آغاز اِن الفاظ سے ہوا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ‏

"(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی، ایک کھلی فتح"۔

صلح حدیبیہ - فتحِ مبین

نبی اکرم ﷺ نے بظاہر قریش کے سامنے دب کر صلح کی تھی لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد ثابت ہو گیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں "فتحِ مبین" ثابت ہوئی۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کا رُخ کس درجے نبی اکرم ﷺ پر روشن تھا۔ اِس صلح کو بلاشبہ آپ ﷺ کے تدبر و فراست کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِس صلح سے مسلمانوں کو جو ثمرات حاصل ہوئے وہ حسبِ ذیل ہیں:

1. اِس صلح سے قبل قریش کے نزدیک مسلمانوں کی حیثیت قریش اور قبائلِ عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی۔ وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا تہیّہ کیے بیٹھے تھے۔ اُنہیں امید تھی کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اِس پس منظر میں دیکھیے تو قریش کا صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اِس حقیقت کو تسلیم کرنا تھا کہ اب قریش اِس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اب خود قریش نے مسلمانوں سے معاہدہ کر کے عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کر لیا اور تمام عرب قبائل کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ اِن دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔
2. مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کر کے قریش نے آپ سے آپ گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آ رہے تھے بلکہ عرب کے

(1) صحیح البخاری، کتاب الشُّرُوطِ، باب الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ، عَنْ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ

مسلّمہ ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اِس کے پیروکار بھی حج و عمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔اِس سے اہلِ عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہوگئی جو قریش کے پروپیگنڈے سے اِسلام کے خلاف پیدا ہوگئی تھی۔

3. اِس صلح کی وجہ سے مسلمانوں اور مشرکینِ مکہ کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔لوگوں کی آمدورفت ہوئی۔ مکّہ میں جو غلط فہمیاں نبی اکرم ﷺ اور اِسلام کے بارے میں تھیں وہ دور ہونے لگیں۔ مسلمانوں نے قریش کو اِسلام کے روحانی، ذہنی، علمی، اخلاقی اور مادّی فیوض کا حال بتایا۔اِس کے نتیجہ میں مکہ کے اہم لوگ اِسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔اِنہی لوگوں میں سے جب حضرت خالد بن ولید، حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ایمان لائے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے"۔[1]

4. قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اِسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔اِس صلح کے ذریعہ تسلیم کر لیا گیا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے۔اِس آزادی سے مسلمانوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اُنہیں دعوت و تبلیغ کے لیے وسیع مواقع میسر آگئے۔ وہ اصحابِ صفہ جن کی تربیت مسجدِ نبوی ﷺ میں ہورہی تھی، اب اُن کے وفود تشکیل دیے گئے اور جزیرہ نمائے عرب کے طول و عرض میں تبلیغی سرگرمی اپنے پورے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی۔یہی وجہ ہے کہ دو سال کے دوران مسلمانوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ سن 6 ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے لیکن سن 8 ہجری میں قریش کی عہد شکنی کے بعد جب آپ ﷺ مکہ پر حملے کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

5. اِس صلح نے قریش کے ہاتھ باندھ دیے اور مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیے۔غزوۂ احزاب میں بنو غطفان اور خیبر کے یہود نے مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنایا تھا۔اب

---

(1) معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم الأصبہانی، کتاب باب الخاء، باب من اسمہ خالد

بڑے دشمن سے صلح کے بعد مسلمانوں نے اِن چھوٹے دشمنوں پر بھرپور وار کیا۔ غطفان کی قوت کو منتشر کر دیا گیا اور سن 7 ہجری میں یہودیوں کو شرمناک شکست دے کر خیبر کے علاقے کو فتح کر لیا گیا۔

6. صلح حدیبیہ کی یہ دفعہ مسلمانوں کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ آئے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے لیکن جو شخص مدینہ سے بھاگ کر مکہ جائے گا، اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ قریش کو خود صلح کی اِس دفعہ کو ختم کرنے کی درخواست کرنی پڑی۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نام کے ایک صحابی، جنہیں مکہ میں اذیتیں دی جا رہی تھیں، بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ قریش نے اُن کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھجوایا کہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو عہد و پیمان ہے اُس کے مطابق ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی تلوار قبضہ میں لے کر اُس کو مار دیا اور دوسرا بھاگ گیا۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر اب ساحلِ سمندر پر آ کر رہنے لگے۔ کچھ روز بعد ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ بھی بھاگ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اِسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملتا۔ یہاں تک کہ اِن کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اِس کے بعد اِن لوگوں کو ملک شام آنے جانے والے قریش کے کسی بھی تجارتی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اُس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کا مال لوٹ لیتے۔ قریش نے تنگ آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ آپ اِن لوگوں کو اپنے پاس بلا لیں اور صلح کی مذکورہ بالا دفعہ کو کالعدم سمجھیں۔ اِس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کو مدینہ بلوا لیا۔[1]

[1] صحیح البخاری، کتاب الشُّروطِ، باب الشُّروطِ فِی الْجِھادِ وَالْمُصالَحَۃِ مَعَ أَھْلِ الْحَرْبِ وَکِتابَۃِ الشُّروطِ

سورۃ الفتح کا آخری رکوع

سورۃ الفتح[48] کے ابتدائی تین رکوعوں میں پچھلے واقعات پر بھرپور تبصرہ اور مستقبل کے حوالے سے حوصلہ افزا بشارتیں وارد ہوئی ہیں۔ اِن بشارتوں میں خیبر کی قریبی فتح اور کثرت سے مالِ غنیمت کے حصول کی خوشخبری شامل ہے۔ اِس کے بعد مسلمانوں کو جو کچھ ملے گا، وہ اِس وقت اِن کی طاقت سے باہر ہے لیکن اللہ نے اُسے گرفت میں لے کر محفوظ کر لیا ہے۔ پھر بتایا کہ اگرچہ مشرکینِ مکّہ کو تم آج بھی شکست دے سکتے تھے لیکن اُن کے درمیان ایسے مرد و خواتین گھرے ہوئے تھے جو مخفی طور پر اِسلام قبول کر چکے تھے۔ اب اگر جنگ ہو جاتی تو تم اُن کو بھی دشمن سمجھ کر نشانہ بناتے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہوئی کہ اُس نے دونوں گروہوں کو ٹکراؤ سے روکا۔ خصوصاً وہ لمحہ یاد دلایا گیا کہ جب کفر کی جانب سے جاہلی حمیت کا بڑا اکڑ امظاہرہ کیا گیا تھا اور اُنہوں نے "الرحمٰن الرحیم" اور "رسول اللہ" کے الفاظ کی کتابت تک گوارا نہ کی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں انتہائی ضد سے کام لیا۔ جب ایک فریق اِس طرح کا ٹیڑھا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف بھی نرم اور ٹھنڈے جذبات برسرِکار نہیں آسکتے۔ لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں پر اُس نے سکینت نازل فرمائی، جذبات پر قابو دیا اور تقویٰ و احتیاط کے اصول پر کاربند رکھا۔ بلاشبہ یہ لوگ مشرکین کے مقابلے میں اِسی شان کے مستحق اور اہل تھے۔ اگر اِدھر سے بھی اشتعال سے کام لیا جاتا تو تصادم ہو جاتا اور وہ ساری مصلحتیں ختم ہو جاتیں جو نہایت آسانی سے حاصل ہو رہی تھیں۔ اِس کے بعد آخری رکوع کی تین آیات (27 تا 29) میں اہم مضامین وارد ہوئے ہیں۔

آیت 27:

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ ۚ... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا خواب سچا کر دکھایا... لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ... تم یقیناً داخل ہو گے مسجدِ حرام میں، اگر اللہ نے چاہا، پورے امن کی حالت میں... مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَ مُقَصِّرِيۡنَ ۙ لَا تَخَافُوۡنَ ؕ ... اپنے سروں کو مونڈتے ہوئے بھی اور بال ترشواتے ہوئے بھی، اِس حالت میں کہ تمہیں کسی کا خوف نہ ہو گا... فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا... تو اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم نہیں جانتے... فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ۝ ... پس اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ ایک قریبی فتح کا سامان کر دیا۔

- نبی اکرم ﷺ جب عمرے کی ادائیگی کے بغیر واپس آئے تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ عمرے کی ادائیگی کے حوالے سے آپ ﷺ کا خواب تو جھوٹا ہو گیا۔ اِس آیت نے مغالطے کو دُور کیا اور وضاحت کر دی کہ نبی اکرم ﷺ کا خواب اللہ نے سچ کر دکھایا۔ مشرکین مکّہ کے ساتھ طے ہو گیا کہ آئندہ سال مسلمان عمرہ ادا کریں گے اور مشرکین اُن کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اگلے سال ذوالقعدۃ سن 7 ہجری میں مسلمانوں نے عمرہ کیا جسے عمرۂ قضاء کہتے ہیں۔
- اِس آیت میں ایک اور پیشگوئی یہ کی گئی کہ عنقریب مسلمانوں کو ایک اور فتح حاصل ہو گی۔ یہ اصل میں فتحِ مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ عمرے کی ادائیگی کے اگلے ہی سال یہ پیشگوئی بھی درست ثابت ہوئی اور رمضان سن 8 ہجری میں مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی خوشی نصیب ہوئی۔

آیت 28:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ... وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو... بِالْهُدٰى... کامل ہدایت کے ساتھ... وَ دِيْنِ الْحَقِّ... اور سچے دین کے ساتھ... لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ... تاکہ وہ اُس کو غالب کر دیں کل نظامِ زندگی پر... وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾... اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا۔

اِس آیت کے اکثر حصہ پر تفصیلی بحث سورۃ الصف [61] کے درس کے دوران آیت 9 کے ذیل میں ہو چکی ہے۔ وہاں آیت کے آخر میں الفاظ تھے وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (اور چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے) جبکہ یہاں الفاظ آئے ہیں وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا)۔ گویا صلح حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں پر مایوسی طاری تھی، اللہ نے یقین دہانی کرا دی کہ آخری کامیابی ہمارے رسول ﷺ ہی کو حاصل ہو گی کیونکہ اُنہیں بھیجا ہی گیا ہے دینِ حق کے غلبہ کے لیے اور اللہ خود اِس پر ضامن ہے۔

آیت 29:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ... محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں... وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ... اور وہ لوگ کہ جو اُن کے ساتھ ہیں... اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ... کفار کے مقابلے میں بڑے سخت ہیں... رُحَمَآءُ

بَيْنَهُمْ . . . آپس میں انتہائی نرم ہیں . . . تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا . . . تم اُنہیں دیکھتے ہو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے، وہ اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں . . . سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ . . . اُن کی نشانی ہے اُن کے چہروں میں سجدوں کے اثرات . . . ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ . . . یہ اُن کی مثال ہے تورات میں . . . وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ . . . اور انجیل میں اُن کی مثال ہے . . . كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ . . . اُس کھیتی کے مانند جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ہے . . . فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ . . . پھر اُس کی کمر کو مضبوط کرتی ہے، پھر ذرا موٹی ہوتی ہے، پھر کھڑی ہو جاتی ہے اپنی نال پر . . . يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ . . . کاشت کار کو وہ بڑی بھلی لگتی ہے . . . لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ . . . تاکہ دلوں میں جلن پیدا ہو جائے کفار کے . . . وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ . . . اُن لوگوں سے جو ایمان اور عملِ صالح کے معیار پر پورا اترے ہیں، اللہ نے مغفرت اور شاندار بدلے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِس آیت میں اللہ کے رسول ﷺ کے اُن ساتھیوں کے محاسن بیان ہوئے ہیں جن کی قربانیوں کے طفیل فتحِ مبین حاصل ہوئی۔ یہ محاسن حسبِ ذیل ہیں:

1. اُن کی محبت اور دشمنی کا معیار ایمان ہے۔ جو شخص صدقِ دل سے ایمان لانے کے بعد دین کی سربلندی کے لیے مال و جان لگا رہا ہے وہ اُنہیں انتہائی محبوب ہے خواہ اُس کا تعلق کسی رنگ، نسل یا علاقے سے ہو۔ جو دین کا دشمن ہے اُس سے اُنہیں انتہائی نفرت ہے خواہ وہ اُن کا خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سورۃ المائدۃ[5] میں یہ صفات اِس طرح بیان ہوئیں:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (المائدۃ[5] : 54)

"وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت ہی نرم ہیں لیکن کافروں کے لیے بہت سخت ہیں"۔

بقولِ اقبال:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

اِن صفات کے حاملین کے لیے خوشخبری ہے کہ:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ[1]

---

(۱) سنن أبی داود، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الإیمان ونقصانہ، عن أبی أمامۃ رضی اللہ عنہ

"جس نے محبت کی اللہ کے لیے اور دشمنی کی اللہ کے لیے اور دیا اللہ کے لیے اور روکا اللہ کے لیے، اس نے ایمان کی تکمیل کرلی"۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کافروں کے ساتھ سختی اور تندخوئی سے پیش آتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی، سیرت کی طاقت اور ایمانی فراست کی وجہ سے کفار کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ اِنہیں کافر جدھر چاہیں موڑ دیں۔ وہ نرم چارہ نہیں ہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ اُنہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جاسکتا۔ اُنہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جاسکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اُنہیں اُس مقصدِ عظیم سے ہٹادیں جس کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے اٹھے ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مظاہرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اِس طرح بھی کیا کہ غزوات کے دوران حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کو، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جو مخلص مسلمان تھے، ایک موقع پر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کردوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی شان، اللہ نے اِن الفاظ میں بھی بیان فرمائی کہ:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر [59] : 9)

"وہ (انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم) اُن (مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم) کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں"۔

مندرجہ ذیل احادیثِ قدسیہ میں اُن لوگوں کے لیے جو صرف اللہ ہی کی خاطر باہم محبت کرتے ہیں عظیم خوشخبریاں بیان ہوئی ہیں:

وَجَبَتْ مَحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ (۱)

"واجب ہو گئی میری محبت اُن کے لیے جو میری وجہ سے باہم محبت کرتے ہیں، میری وجہ سے باہم مل کر بیٹھتے ہیں، میری وجہ سے ایک دوسرے کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں"۔

اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ (۲)

"بے شک اللہ روزِ قیامت فرمائے گا کہاں ہیں وہ جو میرے جلال کی خاطر باہم محبت کرتے تھے؟ آج میں اُنہیں اپنے سایہ میں مقام دوں گا جبکہ اِس دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں"۔

نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد میں باہم محبت کرنے کی ترغیب اِن الفاظ میں بیان ہوئی:

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (۳)

"تم جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک ایمان پر قائم نہ رہو، اور ایمان پر قائم نہیں رہ سکتے جب تک باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں بتاؤں وہ عمل کہ جسے اختیار کر کے تم باہم محبت پیدا کر سکتے ہو؟ ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو"۔

2. بندوں سے تعلق کے بعد اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اللہ سے تعلق کی کیفیت بیان ہوئی کہ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا یعنی اُن کی تمام محنتوں اور سرگرمیوں کا مقصدِ وحید صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے اور اِس کے لیے وہ کثرت سے نوافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ نوافل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سحر کے وقت نمازِ تہجد کا خصوصی

(۱) المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب البر والصلة، باب وأما حديث عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ، مسند أحمد، كتاب مُسْنَدُ الْأَنْصَارِ، باب حَدِيثُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ... عن أَبِيْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ

(۲) صحيح مسلم، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب فِي فَضْلِ الْحُبِّ فِي اللّٰهِ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

(۳) صحيح مسلم، كتاب الْإِيمَانِ، باب بَيَانِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَنَّ مَحَبَّةَ الْمُؤْمِنِيْنَ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

اہتمام فرماتے تھے۔ یہ وقت اللہ کی رضا کے حصول کے لیے انتہائی اہم ہے کیونکہ اِس وقت اللہ تعالیٰ سماءِ دنیا پر اپنی خصوصی تجلیات کا ظہور فرما کر ندا لگاتا ہے کہ:

هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ [1]

"ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اُس کی دعا پوری کروں، ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اُس کو عطا کروں؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اُس کو بخش دوں"۔

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ آتے ہی صحابہ کرام کو پہلی نصیحت یہ فرمائی تھی کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ [2]

"اے لوگو! کثرت سے سلام کیا کرو، اور کھانے کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور رات میں نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہیں، تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے پوری سلامتی کے ساتھ"۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ سے مراد وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع و خضوع سے ہر متقی عبادت گزار کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں کی کیفیت تو یہ تھی کہ اُن کو دیکھتے ہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ خیر الخلائق ہیں اور اللہ سے محبت کا نور اُن کے چہروں پر چمک رہا ہوتا تھا۔ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے، یہ تو اُسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں [3]۔

3. ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں کی کیفیت تو یہ تھی کہ اُن کو دیکھتے ہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ خیر الخلائق ہیں اور اللہ سے کی مذکورہ بالا صفات کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ تحریفوں کے باوجود تورات، باب استثناء 1-123 تا 3 میں یہ الفاظ موجود ہیں:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکار ہوا وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لیے تھی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب التَّرْغِيبِ فِي الدُّعَاءِ وَالذِّكْرِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ وَالْإِجَابَةِ فِيهِ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ

[2] المستدرك على الصحيحين، كتاب الهجرة، باب أفشوا السلام وأطعموا الطعام، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ

[3] تفسير ابن كثير۔ (۷/ ۳۶۲)

وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اُس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بات مانیں گے"۔

یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فتح مکہ کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دس ہزار تھی، جو فاران سے طلوع ہونے والے اُس نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل میں داخل ہوئے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی کے لفظ سے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا کے لفظ سے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا مضمون سمجھا جاتا ہے۔ عبارت کے آخری الفاظ اللہ کے ساتھ خصوصی تعلق کو ظاہر کر رہے ہیں۔

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ سے مراد یہ ہے کہ انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال کھیتی سے دی گئی ہے۔ انجیل متی باب 13 آیت 31 میں یہ الفاظ موجود ہیں:

"اُس نے ایک اور تمثیل اُن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اُس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں"۔

ایک مشہور واقعہ اِس حقیقت کی تائید کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی بڑی صراحت سے کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مسلمان افواج بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں تو یہ محاصرہ بہت طول پکڑ گیا۔ بیت المقدس میں محصور عیسائی مذہبی رہنماؤں نے کہا کہ ایک درویش بادشاہ کی علامات ہماری کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جس کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوگا۔ علامات جب بیان کی گئیں تو اُن کا کامل مصداق تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِسی لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی شہر کے دروازے کھول دیے اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس کی علامات ہماری کتابوں میں درج ہیں۔

بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے انتہائی مناسب مثال اُس کھیتی کی سی ہے جو ابتداء میں انتہائی نازک اور کمزور تھی لیکن رفتہ رفتہ مضبوط ہو کر اپنے زور پر پوری قوت سے کھڑی ہوگئی۔ اِس

کھیتی کو لگانے والے باغبان ہیں محمد رسول اللہ ﷺ جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے اِس کھیتی کی آبیاری کی ہے اور جن کی تمنا ہے:

پھلا پھولا رہے یارب، چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نبی اکرم ﷺ کا قلبِ مبارک اِس لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر باغ باغ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف وہ کفار و منافقین ہیں جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شدید بغض و عداوت ہے۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کامیابیوں پر اپنے دل میں جلن اور گھٹن محسوس کر رہے ہیں۔ آیت کے آخری حصہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا کہ دنیا میں تو فتح و کامرانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم چوم ہی رہی ہے، آخرت کے اعتبار سے بھی وہ کامیاب و کامران ہیں کہ وہاں اِن صاحبِ ایمان اور نیکو کار لوگوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کی خوشخبریاں ہیں۔

درسِ نہم:

فتحِ مکہ

جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ دینِ حق کی تکمیل

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ
وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى
قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨ۚ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى
الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٣ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ
اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٤ۧ

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ نہم "فتحِ مکہ" کے پس منظر اور حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

2. سورۃ الجمعۃ[62] کی دوسری اور تیسری آیات کے حوالے سے یہ بات ہمارے سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتیں دو تھیں۔ آپ ﷺ کی بعثتِ خاص تھی اہلِ عرب کی طرف جنہیں 'اُمیین' کہا گیا اور آپ ﷺ کی بعثتِ عام تھی غیر عرب اقوام اور پھر بعد میں قیامت تک آنے والی پوری نوعِ انسانی کی طرف جنہیں 'آخرین' کا نام دیا گیا۔ اہلِ عرب میں آپ ﷺ نے بذاتِ خود دعوت و تحریک کا کام کیا اور غلبہ دین کے مشن کی تکمیل کی جس کا نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ ﷺ نے آخرین کے لیے بھی اِس مشن کا آغاز فرمایا جس کی تفصیل ان شاء اللہ ہم آئندہ درس میں سمجھیں گے۔

3. مسلمانوں کو فتح مکہ کی کامیابی رمضان سن 8 ہجری میں حاصل ہوئی۔ فتحِ مکہ بلاشبہ ایک بہت عظیم واقعہ تھا لیکن قرآنِ حکیم میں اِس کا صراحت کے ساتھ کہیں بھی تذکرہ موجود نہیں۔ اِس کے برعکس قرآنِ حکیم میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا اور سورۃ الفتح[48] میں اِس کا بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ گویا ظاہری اعتبار سے واقعات کی قدر و قیمت اور ہے اور معنوی اعتبار سے اور۔ قرآنِ حکیم ہمیں بار بار یہ تعلیم دیتا ہے کہ اشیاء اور واقعات کے ظاہر کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اصل نگاہ حقیقت کی طرف ہونی چاہیے۔

4. قرآنِ حکیم میں فتح مکہ کا ذکر تو نہیں البتہ اِس سے قبل کے کچھ حالات سورۃ التوبۃ[9] میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ التوبۃ[9] میں کل 16 رکوع ہیں۔ پہلے پانچ رکوعوں کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے یعنی جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر اللہ کے دین کے غلبہ کے آخری مراحل اور اِس کے ضمن میں جو بھی مباحث تھے وہ پہلے پانچ رکوعوں میں آگئے ہیں۔ بقیہ گیارہ رکوعوں کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے جن کی تفصیل آئندہ درس میں آئے گی۔

پہلے پانچ رکوعوں میں سے پہلا، چوتھا اور پانچواں رکوع سن 9 ہجری میں حج کے موقع پر نازل ہوئے۔ اِن رکوعوں میں مشرکینِ عرب کے سامنے اعلان کر دیا گیا کہ تم پر ہمارے نبی ﷺ اتمامِ حجت کر چکے۔ اب تمہیں ایک خاص مدت تک مہلت دی جاتی ہے۔ اِس دوران ایمان لے آؤ یا اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل جاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اِن رکوعوں میں اہلِ کتاب کو بھی بتا دیا گیا کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تمہیں اِسلامی حکومت کی عمل داری میں جزیہ دے کر اور

چھوٹے بن کر رہنا پڑے گا۔ دوسرا اور تیسرا رکوع فتح مکہ سے قبل نازل ہوئے جن میں مکہ پر حملہ کے حوالے سے لوگوں کے طرزِ عمل پر تبصرہ ہے۔ اِس درس میں ان شاء اللہ ہم اِن دو رکوعوں کی روشنی میں فتح مکہ سے قبل کے حالات کو سمجھیں گے۔

مکہ کی طرف اقدام کا پس منظر

صلح حدیبیہ میں یہ طے ہوا تھا کہ ہر قبیلہ کو اختیار ہو گا کہ وہ چاہے تو مسلمانوں کا حلیف بن جائے یا قریش کا حلیف بن جائے۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہو گا، اُسی کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اُس فریق پر زیادتی متصور ہو گی۔ بنو خزاعہ نام کا ایک قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا جبکہ ایک اور قبیلے بنو بکر نے قریش کے حلیف کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان دو قبیلوں کے درمیان بڑی پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ شعبان سن 8 ہجری میں بنو بکر نے صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے اِس حملہ میں بنو بکر کی بھرپور مدد کی۔ بنو خزاعہ کے لوگ صلح کی وجہ سے بے فکر تھے اور اُنہیں ایسے حملہ کا اندیشہ نہیں تھا۔ اِس اچانک حملہ کی وجہ سے بنو خزاعہ کا شدید نقصان ہوا۔ اُن کا ایک وفد فریاد کرتا ہوا مدینہ جا پہنچا۔ قریش نے بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کر کے گویا صلح کو توڑ دیا تھا۔ اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اُنہوں نے صلح کی تجدید کے لیے ابو سفیان کو مدینہ بھیجا۔

ابو سفیان نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ کوئی سفارشی تلاش کیا جائے جو محمد ﷺ کو صلح کی تجدید پر آمادہ کر سکے۔ اِس مقصد کے لیے ابو سفیان اپنی بیٹی اور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے وہاں رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا۔ ابو سفیان نے پوچھا کہ بیٹی یہ بستر میرے لائق نہ تھا یا میں اِس بستر کے لائق نہ تھا؟ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ اس بستر کے لائق نہیں ہیں۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔ یہ جواب سن کر ابو سفیان باہر چلے آئے۔

ابو سفیان اِس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی تجدید کی درخواست کی لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ملے لیکن سب نے سفارش کرنے سے معذرت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ یک طرفہ

طور پر امان کا اعلان کر کے چلے جائیں۔ ابو سفیان نے پوچھا کیا اِس سے کچھ بات بن جائے گی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے اُمید نہیں کہ بات بنے لیکن بہر حال اس کے سوا تمہارے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں۔ ابو سفیان نے مسجد نبوی میں امان کا اعلان کیا اور وہاں سے واپس مکہ کی راہ لی۔[1]

اِس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے خلاف اقدام کے لیے مکہ کی طرف روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس تیاری کو خفیہ رکھنے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ اِس کی حکمت یہ تھی کہ قریش کو اگر مسلمانوں کے حملہ کا علم ہو گیا تو وہ بھی مقابلہ کی تیاری کریں گے اور اِس طرح زیادہ خونریزی کا خدشہ ہو گا۔ اگر مسلمان اچانک مکہ پہنچ گئے تو قریش مقابلہ کی ہمت نہیں کریں گے اور خونریزی کا امکان کم ہو گا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف اقدام کے لیے روانگی کا فیصلہ فرمایا تو کچھ ساتھیوں نے مختلف اسباب کی بنیاد پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ یہ اسباب حسبِ ذیل تھے:

i. جنگ کے مقابلے میں صلح بہتر شے ہے اور ہمیں قریش سے صلح کی تجدید کر لینی چاہیے۔

ii. قریش بیت اللہ اور حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور ہمیں اُن سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔

iii. مکہ میں ہمارے بہت سے رشتہ دار ہیں، اُن سے جنگ کرنا صلہ رحمی کے منافی ہے۔

iv. کچھ لوگ اب بھی قریش اور اُس کے حلیفوں کی قوت سے مرعوب تھے اور وہ مال و جان کی محبت کی وجہ سے جنگ سے جی چرا رہے تھے۔

سورۃ التوبۃ[9] کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف قتال کے حوالے سے ہچکچاہٹ کے مذکورہ بالا اسباب کے بارے میں بڑی اہم ہدایات دی ہیں۔ مذکورہ بالا اسباب کی اہمیت ابدی ہے۔ انسانی نفسیات جو پہلے تھی وہ آج بھی ہے۔ یہ کیفیات، سوچنے کے یہ انداز اور یہ مختلف احساسات ہر دور میں ہوں گے۔ جب بھی کبھی دین کے لیے کوئی کام ہو گا، ظاہر بات ہے کہ اِنہی مراحل میں سے گزرنا ہو گا۔ لہٰذا اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے لیے اِن آیات میں فکری اصلاح کے لیے اہم رہنمائی موجود ہے۔

---

(1) سیرۃ ابن ھشام، ذِكْرُ الْأَسْبَابِ الْمُوجِبَةِ الْمَسِيرَ إِلَى مَكَّةَ وَذِكْرُ فَتْحِ مَكَّةَ باب خُرُوجُ أَبِي سُفْيَانَ إِلَى الْمَدِينَةِ الصُّلْح وَإِخْفَاقُهُ

آیت 7:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ... کیسے ہو سکتا ہے مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ ... اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ... سوائے اُن کے کہ جن سے اے مسلمانو تم نے صلح کی تھی مسجد حرام کے پاس ... فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ... تو جب تک وہ سیدھے قائم رہیں تمہارے لیے تم بھی سیدھے قائم رہو اُن کے لیے ... اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ... یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔

- اِس آیت میں اُن لوگوں کی اصلاح کی گئی جو صلح کو زیادہ ہی اہمیت دے رہے تھے۔ فرمایا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مشرکین سے صلح کا معاہدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اُصولی بات تو یہ ہے کہ حق و باطل کے مابین صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر حق باطل کو مستقلاً تسلیم کر کے اُس کے ساتھ سمجھوتہ کر لے تو ایسا حق دراصل حق ہے ہی نہیں۔ البتہ یہ تو اہلِ حق کی مجبوری ہو سکتی ہے اور حالات کا جبر ہو سکتا ہے کہ اہلِ حق باطل کے خلاف کوئی اقدام کرنے کے قابل نہ ہوں تو کوئی وقتی مصالحت کر لی جائے۔
- اِس آیت میں بیان کی گئی حقیقت کی علامہ اقبال نے کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ:

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

"باطل دوئی پسند ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ باطل کو اپنے وجود کے لیے حق کے کسی جزو کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا باطل کو حق سے سمجھوتہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ حق کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ خالص ہوتا ہے اور کسی قسم کی آمیزش قبول نہیں کرتا۔ قرآنِ حکیم میں باطل کو کئی مقامات پر 'ظلمات' یعنی کئی اندھیروں سے تشبیہ دی گئی ہے جبکہ حق کو تشبیہ دی گئی 'نور' یعنی ایک روشنی سے۔ مختلف تناسب میں حق کی آمیزش کے ساتھ باطل کے کئی شیڈز ہو سکتے ہیں اِس لیے اِسے اندھیروں سے تشبیہ دی گئی جبکہ حق بالکل خالص ہوتا ہے لہٰذا اِسے صرف روشنی سے تشبیہ دی گئی۔

- اِس آیت میں اُصولی بات تو یہ بیان ہوئی کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ شرک کو قبول نہیں کرسکتے لہٰذا مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے وقتی مجبوری کی وجہ سے مشرکین کے ساتھ مسجد حرام کے قریب حدیبیہ کے مقام پر عہدِ صلح کیا تھا تو اب اُنہیں اِس کا احترام اُس وقت تک کرنا چاہیے جب تک مشرکین اپنے عہد پر قائم رہیں۔ عہد کو نبھانا تقویٰ کا تقاضا ہے اور اللہ متقیوں سے محبت فرماتا ہے۔
- اِس آیت میں ایک گمراہی کی نفی ہے۔ کچھ دانشور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے میثاقِ مدینہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک میثاقِ مدینہ ایک مستقل اُصول ہے جس کے تحت کفر اور اسلام مل کر ایک وحدت بن سکتے ہیں۔ نعوذ باللہِ من ذٰلک! یہ تو درحقیقت اسلام کی حقانیت کی نفی ہے۔ مسلمانوں نے یہودی قبائل سے میثاقِ مدینہ اُس وقت کیا تھا جب کہ ابھی دین غالب نہیں ہوا تھا۔ یہ میثاق ایک وقتی مصلحت کے تحت عارضی اقدام تھا۔ غلبہٗ دین کی جدوجہد کے دوران اب بھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اِسے اِسلام کا مستقل اصول قرار دے دینا اِس دور کی بہت بڑی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ہے۔ غیر مسلموں کے معاملہ میں اِسلام کا دائمی اصول سورۃ التوبۃ[9] آیت 29 میں بیان ہوا ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

"لڑو اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ حرام مانتے ہیں اُس کو جسے حرام کیا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول کرتے ہیں دینِ حق کو یہاں تک وہ جزیہ دیں اور چھوٹے ہو کر رہیں"۔

- بعض دانشوروں نے ایک مستقل فلسفہ بنالیا ہے کہ اصل میں جنگ تو صرف مجبوری کی صورت میں جائز ہے ورنہ اصل کام ہے دعوت و تبلیغ اور صلح کے ساتھ رہنا۔ ایسے دانشوروں سے اگر پوچھا جائے کہ صلح اتنی ہی اچھی چیز ہے اور جنگ اتنی ہی بری شے، تو بتایئے کہ جب قریش نے صلح حدیبیہ توڑ دی اور پھر اُن کے سردار ابوسفیان صلح کی تجدید کے لیے مدینہ آکر خوشامدیں

کررہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے صلح کی تجدید کیوں نہیں کی؟ یہ دانشور اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ بات یہ ہے کہ اصل مقصود نہ صلح ہے نہ جنگ ہے۔ اصل مقصود غلبۂ دین کے اُس مشن کی تکمیل ہے جس کے لیے نبی اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔ اب یہ حکمت اور معاملہ فہمی ہے کہ کس وقت اِس مشن کے لیے صلح مفید ہے اور کب جنگ۔ سن 6 ہجری میں ابھی مسلمانوں کے پاس بیت اللہ کو شرک کی گندگی سے پاک کرنے کے لیے قوت نہ تھی لہٰذا مشرکین سے صلح کرلی گئی۔ سن 8 ہجری میں مطلوبہ قوت حاصل ہوگئی تو اب صلح کی تجدید نہیں کی گئی اور "دنیا کے بتکدوں میں خدا کے پہلے گھر" کو بتوں کی گندگی سے پاک کردیا گیا اور جزیرۂ نمائے عرب کی حد تک غلبۂ دین کے مشن کی تکمیل ہوگئی۔

آیت 8:

كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ... کیسے رہے صلح (مشرکین سے) کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ کسی عہد کا... يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ... وہ تمہیں راضی کرتے ہیں اپنے مونہوں (کی باتوں) سے اور نہیں مانتے اُن کے دل... وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ... اور اُن میں سے اکثر فاسق ہیں۔

- اِس آیت میں مشرکین کے ساتھ صلح کی تجدید نہ کرنے کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ بڑے زوردار انداز میں فرمایا 'كَيْفَ' یعنی کیسے؟ آخر سوچو تو سہی۔ مشرکین کے ساتھ صلح ہو تو کیسے؟ اُن کے ساتھ صلح ہو تو کس بنیاد پر؟ مصالحت جاری رکھی جائے تو کیوں؟ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا پاس کریں گے۔
- يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ میں اشارہ ہے ابوسفیان کی اُن خوشامدوں کی طرف جو اُنہوں نے صلح کی تجدید کے لیے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے سامنے کی تھیں۔ اللہ نے آگاہ فرمادیا کہ یہ سب اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دل انکاری ہیں۔ اُن کے دلوں میں تمہارے خلاف غیظ و غضب ہے اور انتقام کی آگ جل رہی ہے۔ اُن کی اکثریت سرکشوں اور اللہ تعالیٰ کے باغیوں پر مشتمل ہے۔

آیات 9-10:

اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ... سودا کیا اُنہوں نے اللہ کی آیات کا حقیر قیمت کے عوض ... فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ... پھر روکا اُس کی راہ سے ... اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۝۹ بلاشبہ برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں ... لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ... نہیں لحاظ کرتے کسی مومن کے حق میں قرابت کا اور نہ کسی عہد کا ... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ۝۱۰ ... اور وہی ہیں حد سے گزرنے والے۔

اِن آیات میں مشرکین کے جرائم یاد دلا کر مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف اقدام کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی عارضی لذتوں، مفادات اور چودھراہٹ کے عوض اللہ کی آیات کا سودا کر لیا۔ دو تہائی قرآن مکہ میں نازل ہوا لیکن اِنہوں نے اِس کے بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی کو ترجیح دی۔ پھر نہ صرف یہ خود اللہ کے راستہ سے رکے بلکہ دھمکیوں، تشدد اور لالچ کے ذریعہ دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ مسلمانوں کے حوالے سے اِن کی نفرت و عداوت کا یہ عالم ہے کہ اگر اُنہیں مسلمانوں کے خلاف کسی اقدام کا موقع مل جائے تو وہ نہ کسی رشتہ داری کو اہمیت دیں گے اور نہ ہی کسی معاہدے کا لحاظ کریں گے۔ یہ حد سے تجاوز کرنے والے مجرم ہیں۔ جن لوگوں کا طرزِ عمل اِس قدر گھٹیا ہے کیا اُن کے خلاف اقدام نہ کرنے کا کوئی جواز ہے؟

آیت 11:

فَاِنۡ تَابُوۡا ... پھر اگر وہ توبہ کریں ... وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ... اور قائم رکھیں نماز ... وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ... اور دیتے رہیں زکوٰۃ ... فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ... تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ... وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ۝۱۱ ... اور ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں آیات اُن لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔

- اِس آیت میں اللہ کی طرف سے رحمت و شفقت کا اظہار ہے۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین اپنے کفر و شرک سے توبہ کر لیں، اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے۔ گویا اُن مسلمانوں کو جو مشرکین کے بارے میں نرم رویہ رکھتے تھے دعوتِ فکر دی جا رہی ہے کہ آخر کون سی چیز اُنہیں کفر کی طرف روک رہی ہے؟ حقیقت میں کوئی ایسی فصیل نہیں ہے جو مشرکین کے لیے ناقابلِ عبور ہو۔ وہ جب چاہیں ایمان لا کر بالکل برابری کی بنیاد پر مسلمانوں کے بھائی بن سکتے ہیں۔

- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ ہم نے تمام حقائق وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے ہیں اُن کے لیے جو جاننا چاہیں۔ جن کے دلوں میں مشرکین کے خلاف اقدام کے حوالے سے شبہات ہیں، اگر وہ حقیقت جاننا چاہیں تو ہم نے حقیقت کھول کھول کے بیان کر دی ہے۔

آیت 12:

وَ اِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ ... اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے عہد کرنے کے بعد ... وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ... اور اعتراض کریں تمہارے دین میں ... فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ ... تو لڑو کفر کے سرداروں سے ... اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾ ... بلاشبہ وہ ایسے ہیں کہ اُن کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں (لڑو اُن سے) تاکہ وہ باز آجائیں۔

- اِس آیت میں مشرکین پر فردِ جرم عائد کی جا رہی ہے۔ فرمایا اگر یہ مشرکین عہد کرنے کے بعد اُس کو توڑ دیں اور تمہارے دین کے بارے میں من گھڑت اعتراضات کر کے شکوک و شبہات پیدا کریں تو پھر اِن کے خلاف اقدام کرو۔ چونکہ مشرکین مذکورہ بالا دونوں جرائم کا ارتکاب کر چکے تھے لہٰذا یہ اُن پر فردِ جرم عائد ہو گئی اور اب مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ اُن کے خلاف جنگ کریں۔
- اِس آیت میں مشرکینِ مکہ کو کفر کا امام کہا گیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ البتہ مشرکینِ مکہ کو خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے پورے جزیرہ نمائے عرب میں مذہبی حاکم ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ پورے عرب قبائل کے بت خانہ کعبہ میں تھے اور مشرکینِ مکہ اُن کے متولی تھے۔ اِس وجہ سے مشرکینِ مکہ کی ایک حیثیت تھی۔ وہ جب چاہتے تھے حرمت والے مہینے آگے پیچھے کر دیتے تھے اور تمام عرب قبائل اُن کے یہ فیصلے مانتے تھے۔ مشرکینِ مکہ ہی ہر سال حج کے انتظامات کرتے تھے لہٰذا اُنہیں پورے عرب میں ایک مذہبی سیادت حاصل تھی۔ اُن کے تجارتی قافلے پورے امن کے ساتھ شام اور یمن جاتے تھے اور اِن تجارتی راستوں پر اُنہیں مکمل اختیار حاصل تھا۔ اِس وجہ سے مشرکینِ مکہ کو کفر کے امام اور شہر مکہ کو پورے عرب کی مرکزی بستی یعنی 'ام القریٰ' کا مقام حاصل تھا۔ مکہ پر

دینِ اِسلام کے غلبہ کے بغیر پورے عرب میں غلبہ ٔ دین کا تصور بھی ناممکن تھا۔ اِسی لیے مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا۔

- مغربی تصورات کے زیرِ اثر بعض دانشور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہجرت کے بعد مدینہ آتے ہی اسلامی ریاست قائم ہوگئی تھی اور اِس کے لیے کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی۔ بلاشبہ مدینہ آکر مسلمانوں کو ایک دارالامن اور ٹھکانہ تو حاصل ہوگیا تھا لیکن نہ دین غالب ہوا نہ مطلوبہ اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ مدینہ میں عدالتوں کے دو نظام قائم تھے۔ ایک نبی اکرم ﷺ کا اور دوسرا یہود کا۔ منافقین جو کلمہ گو مسلمان تھے من چاہے فیصلے کرانے کے لیے علمائے یہود کی عدالت میں جاتے تھے۔ سورۃ النساء[4] میں جو مدنی دور کے وسط میں نازل ہوئی، اِس روش کا بیان یوں ہوا:

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ (النساء[4] : 60)

"کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب اے نبی ﷺ) آپ ﷺ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپ ﷺ سے پہلے نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس طاغوت کا انکار کر دیں"۔

مدنی دور میں دو مرتبہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ مشرکین سے جنگ کرو جب تک دین غالب نہ ہو جائے۔ گویا ابھی دین غالب نہیں ہوا اور اس کے لیے جنگ ناگزیر ہے:

وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ ؕ (البقرۃ[2] : 193)

"اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام اللہ کے لیے"۔

وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (الانفال[8] : 39)

"اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام کل کا کل اللہ کے لیے"۔

درحقیقت غلبہ ٔ دین کی منزل سر ہوئی اور اسلامی ریاست قائم ہوئی فتح مکہ کے بعد۔

- اِس کے بعد آیت زیرِ درس میں آگاہ کیا گیا کہ مشرکین کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر تم اُن کے خلاف اقدام میں ہچکچاہٹ کرو گے تو یہ کفر پر برقرار رہیں گے۔ اگر فیصلہ کن قدم اٹھاؤ

گے تو پھر امکان ہے کہ اُن میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئیں گے۔ قرآن کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی اور فتح مکہ کے بعد مشرکین کی ایک بڑی اکثریت اسلام لے آئی۔

آیت 13:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... کیا تم نہیں لڑو گے اُس قوم سے جس نے توڑا اپنی قسموں کو ... وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ... اور سازش کی رسول ﷺ کو (مکہ سے) نکالنے کی ... وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ... اور اُنہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے ... اَتَخْشَوْنَهُمْ ... کیا تم اُن سے ڈر رہے ہو؟ ... فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ ... سو اللہ اِس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

- اِس آیت میں مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کے لیے للکارا جا رہا ہے۔ فرمایا اے مسلمانو! کیا تم اُس قوم سے جنگ نہیں کرو گے جس نے اپنی قسموں کو توڑا، رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا اور ہر قسم کی زیادتی میں پہل کی۔ اُنہوں نے مسلمانوں پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا، اُن پر تشدد کے پہاڑ توڑے اور کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔
- اِس کے بعد مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑنے کے لیے پوچھا گیا کہ کیا تم مشرکینِ مکہ سے ڈر رہے ہو؟ کیا اُن کی طاقت اور دبدبہ سے تم اتنے مرعوب اور خائف ہو کہ اُن کے خلاف جنگ سے پس و پیش کر رہے ہو؟ حالانکہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ لہٰذا اُس کے حکم کی خلاف ورزی مت کرو، اللہ کی مرضی کے خلاف اپنی رائے مت پیش کرو اور جنگ کرو اللہ کے دشمنوں سے۔

آیات 14-15:

قَاتِلُوْهُمْ ... لڑو اُن سے ... يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ... اللہ عذاب دے گا اُن کو تمہارے ہاتھوں ... وَيُخْزِهِمْ ... اور اُنہیں رسوا کرے گا ... وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ... اور اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا ... وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ ... اور ٹھنڈک پیدا کرے گا مسلمانوں کے سینوں میں۔ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ... اور نکالے گا اُن کے دلوں کی جلن کو ... وَيَتُوْبُ

اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ... اور وہ توبہ قبول کرے گا جس کی وہ چاہے گا ... وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ ... اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

- اِن آیات میں مسلمانوں کو مشرکینِ مکہ کے خلاف جنگ کرنے کی صورت میں بشارتیں دی گئیں۔ فرمایا جب تم مشرکین کے خلاف جنگ کے لیے نکلو گے تو اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں دس ہزار جانثاروں کا لشکر دیکھ کر مشرکین کے تکبر کا پندار ٹوٹ جائے گا اور اُنہیں شدید ذہنی اذیت ہو گی۔ اُن میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ ہو گی۔ جو مقابلہ کرنا چاہیں گے وہ جہنم واصل ہوں گے۔ باقی رسوا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رحم کے سوالی بن کر ندامت کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ اِس سے اُن تمام مسلمانوں کے سینوں کو ٹھنڈک اور جذبات کو سکون حاصل ہو گا جن پر یہ مشرکینِ مکہ ظلم و ستم کرتے رہے ہیں۔
- اِس آیت میں مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ بہت سے ہوں گے جو سابقہ جرائم پر نادم ہو کر توبہ کریں گے اور ایمان لا کر اِسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے۔

آیت 16:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا ... کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے ... وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ... اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ... وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ... اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا ... وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ... اور اللہ باخبر ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔

- یہ مضمون منتخب نصاب کے دروس میں پہلے بھی آ چکا ہے کہ اللہ اِس دنیا میں بندوں کو آزمائشوں سے گزارتا ہے اور دین پر ثابت قدم رہنے والے ہی جہنم سے نجات اور جنت میں جانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ (العنکبوت 29: 2، 3)

"کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے محض اِس لیے کہ اُنہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اُنہیں آزمایا نہ جائے گا۔ اور ہم اِن سے پہلے لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں پھر اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچوں کو اور وہ ظاہر کر کے رہے گا جھوٹوں کو"۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرة[2] : 214)

"اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اُس وقت اُنہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو، اللہ کی مدد قریب ہے"۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ (آلِ عمران[3] : 142)

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں"۔

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاۡ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ (محمد ﷺ[47] : 31)

"اور ہم تمہیں آزما کر رہیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں گے تم میں سے جہاد اور صبر کرنے (ڈٹ جانے) والوں کو اور ہم جانچیں گے تمہارے حالات"۔

- اِس آیت میں فرمایا "کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون لوگ ہیں جہاد کرنے والے"۔ اگرچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جہاد کے بہت سے مراحل گزر چکے تھے لیکن اب بھی اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے تھے اور ابھی اُن کے سامنے ایسا امتحانی مرحلہ نہیں آیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی لیکن دو برس بعد فتح مکہ کے موقع پر یہ تعداد

دس ہزار تھی۔ گویا اِس آیت میں اگرچہ الفاظ عام ہیں لیکن روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے کہ جن کو ابھی جہاد میں شرکت کے حوالے سے کسی آزمائش سے سابقہ پیش نہیں آیا۔

- وَلِيْجَةً کہتے ہیں کسی انسان کے ایسے دلی دوست کو جو اُس کا ہمراز یعنی اُس کے بعض ذاتی معاملات سے بھی آگاہ ہو۔ روزِ قیامت نجات کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے ایمان کی حقانیت کا ثبوت دے اور اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کے سوا کسی کو اپنا دلی دوست نہ بنائے۔ اب اگر کسی کے دل میں مشرکینِ مکہ کے لیے کوئی نرم گوشہ ہے تو یہ ایمان کے منافی ہے اور اگر اِس کیفیت کی اصلاح نہ کی گئی تو انسان روزِ قیامت جہنم سے نجات نہ پا سکے گا۔
- ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو دلی دوست یا ہمراز نہ بنایا جائے جو غیر مسلم یا دین کا دشمن ہو۔ البتہ ایسے غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کیا جاسکتا ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کسی اقدام میں شریک نہ ہوں۔ سورۃ الممتحنۃ[60] آیات 9 - 8 میں اِس کی وضاحت بیان ہوئی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

"اللہ منع نہیں فرماتا تمہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے دین کے حوالے سے تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی اور عدل کا سلوک کرو۔ بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تمہیں منع فرماتا ہے اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے جنہوں نے تم سے دین کے حوالے سے جنگ کی اور تمہیں نکالا تمہارے گھروں سے اور تمہیں نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"۔

آیت 17:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ . . . مشرکین اِس لائق نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مساجد کو

. . . شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ . . . گواہی دینے والے ہیں اپنے اوپر کفر کی . . . اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اَعْمَالُهُمْ ۚ . . . یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے . . . وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ . . . اور آگ میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

- اِس آیت میں مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کی مخالفت میں دی جانے والی اِس دلیل کا رد کیا جا رہا ہے کہ قریش بیت اللہ اور حجاج کی خدمت کرتے ہیں اور ہمیں اُن سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ فرمایا مشرکوں کو تو اِس کا حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے انتظام و انصرام میں شرکت کریں یا اُنہیں آباد کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا اپنے کفر کا نہ صرف اعتراف بلکہ اعلان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اِس قابل نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے متولی بن بیٹھیں۔
- اِس آیت میں مزید فرمایا کہ کفر و شرک کی وجہ سے اِن کی ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ سورۃ البقرۃ[2] آیت 177 میں ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ نیکی کی روح ایمان ہے۔ اللہ کے نزدیک ایمان کے بغیر نیک کاموں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ مشرکینِ مکہ نے بیت اللہ کی صفائی ستھرائی، دیگر امور کے لیے انتظامات اور حاجیوں کی خدمت کے حوالے سے جو نیک کام کیے ہیں، وہ سب کے سب ایمان سے محرومی کی وجہ سے اکارت چلے گئے۔ نیکی کا ایک روایتی تصور ہے جو ہر دور میں موجود رہا ہے کہ بڑے بڑے گناہ کرتے رہو لیکن ضمیر کی آواز کو دبانے کے لیے کچھ نیکیاں کر کے جھوٹا اطمینان حاصل کر لو۔ نیکی کے اِس روایتی تصور کی اللہ نے یہاں نفی فرما دی۔

آیت 18:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ . . . بے شک اللہ کی مسجدیں وہ آباد کرتا ہے . . . مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ . . . جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور آخرت کے دن پر ... وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ... اور اُس نے قائم کی نماز اور دی زکوٰۃ . . . وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ . . . اور وہ نہیں ڈرتا کسی سے سوائے اللہ کے . . . فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ . . . سو امید ہے کہ وہ لوگ ہوں گے ہدایت پانے والوں میں سے۔

- اِس آیت میں مثبت انداز میں فرمایا کہ اللہ کی مسجدوں کا انتظام و انصرام اور اُنہیں آباد کرنا ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ سعادت اُن لوگوں کو ملتی ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اُن کی نیکیاں اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کے لیے ہوتی ہیں، وہ نماز قائم کرتے

ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایسے خوش نصیبوں کے بارے میں توقع ہے کہ وہ راہ یاب ہوں گے اور اپنی اصل منزلِ مقصود کو پالیں گے۔

- اِس آیت کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيْمَانِ، قَالَ اللهُ تَعَالٰى : إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ[1]

"جب تم ایک شخص میں مسجد کے حوالے سے ذوق و شوق دیکھو تو اُس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ "۔

آیت 19:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ... کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کو بسانا... كَمَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ... برابر کر دیا اُس کے جو ایمان لایا اللہ اور یومِ آخرت پر ... وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ... اور اُس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں ... لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللهِ ... وہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک ... وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ... اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔

اِس آیت میں زور دار انداز سے نیکی کے روایتی تصور کی نفی کی گئی ہے۔ فرمایا تمہاری یہ اقدار (values) کیا ہیں؟ تم نے کس چیز کو کس چیز کے برابر قرار دے دیا ہے؟ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام میں مختلف امور کا انتظام کرنا اور اِسے آباد رکھنا برابر ٹھہرا دیا اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں طرح کے اعمال برابر نہیں ہیں۔ کسی عمل یا شے کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ظلم ہے یعنی اَلظُّلْمُ وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

آیات 20 - 22:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ... وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ... وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ... اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنی جانوں اور مال کے ساتھ ... اَعْظَمُ

(1) سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة التوبة، عن أبي سعيد رضي الله عنه

دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ . . . درجہ کے اعتبار سے کہیں عظیم ہیں اللہ کے نزدیک . . . وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾ . . . اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں . . . يُبَشِّرُهُمۡ رَبُّهُمۡ بِرَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَ رِضۡوَانٍ . . . خوشخبری دیتا ہے اُن کو اُن کا رب اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی . . . وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمۡ فِيۡهَا نَعِيۡمٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۲۱﴾ۙ . . . اور اُن باغات کی جن میں اُن کے لیے دائمی نعمتیں ہیں . . . خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ . . . اُن میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش . . . اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ . . . بے شک اللہ کے پاس ہے شاندار بدلہ۔

- آیت 20 میں اُن اعمال کا بیان ہے جن کا تعلق نیکی کے وسیع تصور سے ہے۔ سب سے پہلے ایمان کا ذکر ہے جو تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے۔ اُس کے بعد ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ ہجرت اور جہاد دونوں کے درجات ہیں۔ ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں افضل ہجرت ہر اُس کام کو ترک کر دینا ہے جو اللہ کو ناپسند ہو[1]۔ اعلیٰ ہجرت یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں بُرائی کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ظالمانہ نظام کے محافظ اُن کی جانوں کے دشمن ہو جائیں اور پھر اُنہیں اپنی اِس سرزمین سے ہی ہجرت کرنی پڑ جائے۔ اِسی طرح افضل جہاد ہے نفس کے خلاف کوشش تاکہ اُسے شریعت پر عمل کا پابند کیا جاسکے۔ اعلیٰ جہاد اُس وقت ہوتا ہے جب اتنی قوت فراہم کر دی جائے کہ دشمن جہاد کرنے والوں کو کچلنے کے لیے میدان میں آجائے اور جہاد قتال میں بدل جائے۔ ظلم اور منکرات کے خلاف منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر اعلیٰ ہجرت اور اعلیٰ جہاد کے مراحل آ ہی نہیں سکتے۔
- اللہ کو نیکی کا روایتی تصور قبول نہیں کہ بڑے بڑے جرائم کے ساتھ کچھ اچھے کام بھی کر لیے جائیں۔ اُس کے نزدیک وہ لوگ درجات کے اعتبار سے عظمتوں کے حامل ہیں جو ایمان لائے، پھر اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ کامیابی کی اعلیٰ منازل اِن ہی کو حاصل ہوں گی۔ اِن کے لیے بشارتیں ہیں اللہ کی رحمت اور رضا کی اور اُن باغات کی جن کی نعمتیں دائمی ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے محنتوں کا شاندار بدلہ۔

(۱) سنن النسائی، کتاب الۡبَیۡعَةِ، باب هِجۡرَةُ الۡبَادِي، عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَمۡرٍو رضی اللہ عنہ

آیت 23:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... اے ایمان والو!... لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ... نہ بناؤ دوست اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو... اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ... اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان کے مقابلہ میں... وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾... اور جو تم میں سے اُن سے دوستی کریں گے، تو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

- اِس آیت میں مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام کی مخالفت میں دی جانے والی اِس دلیل کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مکہ میں ہمارے بہت سے رشتہ دار ہیں، اُن سے جنگ کرنا صلہ رحمی کے منافی ہے۔ یہاں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا کہ اب تمہارے نزدیک محبت اور دشمنی کا معیار صرف اور صرف ایمان اور دین کی خدمت کے لیے جدوجہد ہونی چاہیے۔ جو شخص صدقِ دل سے ایمان لانے کے بعد دین کی سربلندی کے لیے ہجرت اور مال و جان سے جہاد کر رہا ہے وہ تمہیں انتہائی محبوب ہو خواہ اُس کا تعلق کسی رنگ، نسل یا علاقے سے ہو۔ جو دین کا دشمن ہے اُس سے تمہیں شدید نفرت ہونی چاہیے خواہ وہ تمہارا خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ جو لوگ دوستی اور دشمنی کا یہ معیار نہیں رکھیں گے وہی اللہ کے نزدیک ظالم ہیں۔ ایسے لوگ باطل کے خلاف بھرپور اور فیصلہ کن اقدام نہیں کر سکتے اور گویا باطل کی بقا کے ذمہ دار ہیں۔ بقول جگر مراد آبادی:

  میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
  توہین ہے دست و بازو کی وہ وار کہ جو بھرپور نہیں

- مشرکینِ مکہ کے خلاف اقدام دراصل مہاجرین کے لیے ایک بڑی آزمائش تھی۔ مکہ میں اُن کے کئی رشتہ دار موجود تھے۔ ایک صاحبِ مروّت اور شریف انسان میں رشتہ داری کے حوالے سے کچھ احساسات ہوتے ہیں جو اُس وقت مکہ کی طرف اقدام کے حوالے سے رکاوٹ بن رہے تھے۔ پھر مکہ میں ایسے افراد بھی تھے جو ایمان لے آئے تھے لیکن کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ جنگ کی صورت میں اندیشہ تھا کہ وہ بھی کفار کے ساتھ مارے جاتے۔

اِس حوالے سے معاملہ ہوا ایک بدری صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا۔ اُن کے اہل وعیال مکہ میں تھے۔ وہ قریشی نہیں تھے لہٰذا اُنہیں خطرہ تھا کہ جنگ کی صورت میں کوئی اُن کے اہل وعیال کی حفاظت نہ کرے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو جنگی تیاریوں کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے لیکن اُنہوں نے قریش کے سرداروں کے نام ایک خط لکھا جس میں اُن سے کہا کہ:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس رات جیسا، سیلِ رواں کی طرح بڑھتا ہوا لشکر لے کر آرہے ہیں اور بخدا اگر وہ تنہا بھی تمہارے پاس آجائیں تو اللہ اُن کی مدد کرے گا اور اُن سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ لہٰذا تم لوگ اپنے متعلق سوچ لو"۔ (۱)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط ایک عورت کو دیا تھا تا کہ وہ اُسے قریش کے سرداروں تک پہنچادے۔ عورت سر کی چوٹی میں خط چھپا کر روانہ ہوئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اِس کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُس عورت کے تعاقب کے لیے بھیجا۔ اِن حضرات نے عورت سے وہ خط حاصل کیا اور اُسے گرفتار کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر باز پرس کی۔ اُنہوں نے عرض کی "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔ خدا کی قسم! اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں تبدیلی آئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں، البتہ اُن میں رہتا تھا اور میرے اہل وعیال وہیں ہیں۔ قریش سے میری کوئی قرابت نہیں کہ وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ساتھیوں کے قرابت دار ہیں جو اُن کی حفاظت کریں گے۔ مجھے یہ چیز حاصل نہ تھی لہٰذا میں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کردوں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں"۔

قرآنِ حکیم میں اللہ نے اِس معاملہ پر سخت گرفت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ

---

(۱) الروض الأنف، كِتَابُ حَاطِبٍ إِلَى قُرَيْشٍ

كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۖ تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَأَنَا
أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ① إِنْ
يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ
تَكْفُرُونَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③ (الممتحنة 60 : 1 3)

"اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم اُن کو پیغام بھیجتے ہو دوستی کے جبکہ وہ انکار کر چکے اُس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ اُنہوں نے جلاوطن کیا رسول ﷺ کو اور تمہیں محض اِس لیے کہ تم ایمان لائے اپنے رب اللہ پر، اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے نکلتے ہو تو تم اُنہیں دوستی کے خفیہ پیغام بھیجتے ہو جبکہ میں جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس نے ایسا کیا اُس نے کھو دیا سیدھا راستہ۔ اگر یہ کافر تم پر غالب آجائیں تو ہو جائیں گے تمہارے دشمن اور چلائیں گے تمہارے خلاف اپنے ہاتھ اور زبانیں برائی کے ساتھ اور چاہیں گے کہ تم بھی کفر کر بیٹھو۔ ہر گز کام نہ آئیں گے قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار اور نہ اولادیں۔ اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔

اِس معاملہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بدری صحابی ہیں اور اللہ نے بدر والوں کی پچھلی اور اگلی تمام خطائیں معاف فرمادی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اُنہوں نے کہا اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔[1]

آیت 24:

قُلْ ... کہہ دیجیے (اے نبی ﷺ) ... إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ ... اگر تمہارے باپ دادا ... وَأَبْنَاؤُكُمْ ... اور تمہارے بیٹے ... وَإِخْوَانُكُمْ ... اور تمہارے بھائی ... وَأَزْوَاجُكُمْ ... اور تمہاری بیویاں ... وَعَشِيرَتُكُمْ ... اور تمہارے رشتہ دار ... وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا ... اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں ... وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا ... اور وہ تجارت جس میں خسارے

(1) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرا، عن علی رضی اللہ عنہ

سے تم ڈرتے ہو۔۔۔ وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ۔۔۔ اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔۔۔ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ ۔۔۔ اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں۔۔۔ مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔ اللہ سے۔۔۔ وَ رَسُوْلِهٖ ۔۔۔ اور اُس کے رسول ﷺ سے۔۔۔ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ۔۔۔ اور اُس کی راہ میں جہاد سے۔۔۔ فَتَرَبَّصُوْا ۔۔۔ تو انتظار کرو۔۔۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۔۔۔ یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت)۔۔۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔۔۔ اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِس آیت پر تفصیلی درس منتخب نصاب کے حصہ چہارم میں ہو چکا ہے۔ اِس آیت کے ذریعہ اللہ نے خود احتسابی (self assessment) کے لیے ہر مسلمان کے ہاتھ میں ایک ترازو تھما دی ہے۔ ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالی جائیں طبعی محبتیں اور دوسرے میں دینی محبتیں۔ طبعی محبتیں دو طرح کی ہیں۔ رشتہ داروں کی محبتیں اور مال و اسباب کی محبتیں۔ رشتہ داروں میں والدین، اولاد، بیویاں اور بھائی ہیں۔ مال و اسباب میں جمع کی ہوئی رقم ہے، سالہا سال کی محنت سے حاصل کردہ پیشہ ورانہ صلاحیت (profession) ہے، یا بڑی مشکل سے جمایا ہوا کاروبار اور کاروباری ساکھ ہے اور یا پھر جائیداد ہے، مکان ہے، حویلیاں ہیں، کوٹھیاں ہیں۔ دوسری طرف دینی محبتوں میں اللہ کی محبت، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت ہے۔ اب جائزہ لینا چاہیے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے؟ اگر دینی محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو پھر مبارکباد ہے۔ ایسے لوگ ہی سچے مومن ہیں۔ اِس کے برعکس اگر طبعی محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو پھر ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اللہ اِنہیں ہدایت سے محروم رکھے گا اور اِنہیں چاہیے کہ انتظار کریں۔ اللہ جلد اِن کی موت کا فیصلہ لے آئے گا۔ اِس آیت میں اللہ نے ایسا دوٹوک اسلوب اختیار فرمایا کہ جس کی وجہ سے وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مکہ میں آباد اپنے رشتہ داروں کے لیے کوئی بھی نرم گوشہ تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ مشرکین مکہ کے خلاف اقدام کے لیے تیار ہو گئے۔

مکہ کی طرف روانگی

مندرجہ بالا آیات نے اُن تمام اسباب کا ازالہ کر دیا جن کی وجہ سے مشرکین مکہ کے خلاف اقدام کے حوالے سے ہچکچاہٹ محسوس کی جارہی تھی۔ اب تمام مسلمان اِس بارے میں یکسو ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ نے مکہ کی طرف روانگی کا فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ 10 رمضان المبارک سن 8 ہجری کو دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

مکہ والوں کے لیے امان

جب نبی اکرم ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُنہیں دیکھ کر فرمایا، ابوسفیان! تم پر افسوس! کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ ابوسفیان نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے بردبار اور کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔
اِس کے بعد آپ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اُنہوں نے قبول کرلی۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز دیا کہ اہلِ مکہ میں سے جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔ اِس کے علاوہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اُسے امان ہے اور جو شخص مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔
امان کے اِس فیصلہ کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ تیزی سے مکہ پہنچے اور بلند آواز سے پکار کر قریش کو آگاہ کیا کہ محمد ﷺ اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ اُس کا مقابلہ ممکن نہیں۔ پھر اُنہوں نے امان کے فیصلہ کا اعلان کیا۔ یہ فیصلہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

مکہ میں داخلہ

مکہ کے قریب پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک لشکر کو روانہ کیا کہ وہ دائیں طرف سے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور کوہِ صفا تک پہنچ جائیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دوسرے لشکر کو ہدایت دی کہ وہ بائیں جانب سے مکہ میں بالائی حصے سے داخل ہوں اور حجون تک پہنچ جائیں۔ حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان لشکر کو حکم دیا کہ وہ مکہ کی وادی کے عین بطن سے داخل ہوں۔ آپ ﷺ اِسی لشکر کے پیچھے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کو ایک بہت بڑا اعزاز بخشا تھا لیکن آپ ﷺ کی عاجزی کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اِس قدر سر جھکا رکھا تھا کہ آپ ﷺ کا عمامہ اونٹنی کے کجاوے کو چھو رہا تھا۔

قریش کے کچھ اوباشوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیر کمان لشکر سے مقابلہ کیا۔اِس مقابلہ میں دو صحابی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ مشرکین میں سے بارہ مارے گئے اور باقی فرار ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں

مکہ میں داخلہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں مسجد حرام کے اندر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر ایک کمان کے ساتھ بیت اللہ کے گرد اور اِس کی چھت پر موجود بتوں کو توڑنا شروع کیا۔اِس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بنی اسرائیل [17] کی آیت 81 تلاوت فرمار ہے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل ہے ہی مٹ جانے والا"۔

اِس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ بیت اللہ میں مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی خود ساختہ تصویریں لگا رکھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اِن تصویریں کو مٹا دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں نوافل ادا کیے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو قریش جمع تھے اور اپنے بارے میں فیصلہ کے منتظر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں توحیدِ باری تعالیٰ کا بیان، اللہ کے احسانات کا اعتراف اور مساواتِ انسانی کا درس تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے دریافت فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟"اُنہوں نے عرض کیا "آپ کریم بھائی ہیں اور ایک کریم بھائی کے بیٹے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج تم پر کوئی سرزنش نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو"۔(۱)

فتح مکہ نے مشرکین پر واضح کر دیا کہ اسلام ہی دینِ حق ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک نے اُن کے دلوں کو اور نرم کر دیا اور اُن کی اکثریت اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ اگلے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور تمام نو مسلموں سے بیعت لی۔ پہلے مردوں نے عہد و

(۱) زاد المعاد لابن قیم الجوزیۃ، کتاب الجهاد والمغازی والسرایا والبعوث، فصل فی الفتح الأعظم

پیمان کیا کہ جہاں تک ہو سکے گا ہم آپ ﷺ کی بات سنیں اور مانیں گے۔ اِس کے بعد خواتین نے بیعت کی۔

فتح مکہ - ایک فیصلہ کن معرکہ

فتح مکہ در حقیقت وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول ﷺ کو اور اپنے مومن بندوں کو عزت بخشی اور اپنے گھر کو شرک کی نجاست سے پاک کر دیا۔ اِس فتح کی وجہ سے لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔ بلاشبہ یہ فتح، ایک فیصلہ کن معرکہ ثابت ہوئی۔ قبائل عرب منتظر تھے کہ مسلمانوں اور بت پرستوں میں جو معرکہ آرائی چل رہی ہے دیکھیں اِس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اُن کو یقین تھا کہ حرم پر قابض وہی گروہ ہوگا جو حق پر ہے۔ وہ اصحابِ فیل کا حشر دیکھ چکے تھے جنہوں نے بیت اللہ پر حملے کا ناپاک ارادہ کیا تھا اور اللہ نے اُنہیں برباد کر دیا تھا۔ فتح مکہ نے بُت پرستی کی قوت مکمل طور پر توڑ کر رکھ دی اور اِس کا کام اِس طرح تمام کر دیا کہ جزیرہ نمائے عرب میں اِس کے باقی رہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اِن پر پڑا ہوا وہ آخری پردہ ہٹ گیا جو قبولِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ اِس فتح کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کا بول بالا ہو گیا اور گویا غلبہ دین کے نبوی مشن کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تکمیل ہو گئی۔

درسِ دہم:

غزوۂ تبوک

دعوتِ اسلام کے بین الاقوامی دور کا آغاز

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا
قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ
وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ
اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ
عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ
الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

تمہیدی نکات:

1. منتخب نصاب کے حصّہ پنجم کا درسِ دہم "غزوۂ تبوک" کے پس منظر اور حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔
2. قرآنِ حکیم میں غزوۂ تبوک کے حالات بڑی تفصیل سے سورۃ التوبۃ[9] میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ التوبۃ[9] میں کل 16 رکوع ہیں۔ پہلے پانچ رکوعوں کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ

خصوصی سے ہے یعنی جزیرۂ نمائے عرب کے اندر اندر اللہ کے دین کے غلبہ کے آخری مراحل سے۔ بقیہ گیارہ رکوعوں کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے یعنی بیرونِ ملکِ عرب غلبۂ دین کی توسیع سے۔ اِن گیارہ رکوعوں میں غزوۂ تبوک کے حالات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اِن گیارہ رکوعوں میں سے چار رکوع یعنی چھٹا، ساتواں، آٹھواں اور نواں رکوع غزوۂ تبوک سے قبل اور روانگی کے دوران نازل ہوئے۔ بقیہ سات رکوع تبوک سے واپسی کے دوران اور پھر مدینہ واپس آنے کے بعد نازل ہوئے۔

3. یہ بات اِس سے قبل بیان ہو چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خاص اہلِ عرب خصوصاً مشرکینِ عرب کی جانب تھی اور بعثتِ عام، قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی طرف۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثتِ خصوصی کے فرائض بذاتِ خود سرانجام دیے۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی کردار، دعوت و تبلیغ، اقامتِ دین کی کٹھن جدوجہد، دین کو بالفعل غالب کر کے اور ایک عادلانہ نظام کا عملی نمونہ قائم کر کے اہلِ عرب پر حجت پوری فرمادی۔ بعثتِ عمومی کے فرائض کی ادائیگی کے لیے آپ ﷺ نے ایک امت کو تیار کر دیا اور بقیہ نوعِ انسانی پر اتمام حجت کی ذمہ داری اُس کے کاندھے پر ڈال دی۔ اِس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے جدوجہد کا آغاز بھی آپ ﷺ نے خود کر دیا۔ بیرونِ ملکِ عرب کئی بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے اور اِسی دعوتی مہم کے دوران ایسے حالات پیدا ہوئے جو غزوہ تبوک کا سبب بن گئے۔

غزوۂ تبوک کا پس منظر

غزوۂ تبوک کا پس منظر سمجھنے کے لیے تبلیغ اسلام کے ایک اہم نکتہ کا فہم ضروری ہے۔ اسلام دین ہے محض چند مراسمِ عبودیت کی انجام دہی کا نام نہیں۔ دین کی تبلیغ کا انداز انقلابی ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی جگہ اپنی تبلیغ کو مرتکز کرتا ہے اور وہاں اپنی بنیادیں مضبوط کرنے کے بعد پھیلتا ہے۔ اِس کی مثال ایک تن آور درخت کی سی ہوتی ہے جو پہلے ایک جگہ اپنی جڑوں کو جماتا ہے اور پھر ایک مضبوط تنے پر کھڑا ہو کر اپنی شاخیں پھیلاتا ہے۔ اِس کے برعکس مذہبی تبلیغ کی مثال بیل کی سی ہے جو فوراً پھیلنا شروع ہو جاتی ہے لیکن اِس کی جڑ کہیں بھی مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی نہیں ہوتی۔ نبی اکرم ﷺ کی تبلیغی مساعی

میں ہمیں یہی تدریج نظر آتی ہے اور ہمیں بھی اسلام کی تبلیغ کے حوالے سے تدریج کے اِس پہلو کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ نے جس تدریج کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کو آگے بڑھایا، اُس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے دس برس تک آپ ﷺ نے اپنی پوری دعوتی سرگرمیوں کو صرف شہر مکہ تک محدود رکھا۔ البتہ جو لوگ حج، کاروبار یا کسی میلہ میں شرکت کے لیے باہر سے آتے تھے، آپ ﷺ اُن کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھتے تھے۔ سن 10 نبوی میں بنو ہاشم کے سردار ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ کا بدترین دشمن ابو لہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا۔ اب مکہ میں آپ ﷺ کو اپنے خاندان کی طرف سے تحفظ حاصل نہ رہا۔ اِن مایوس کن حالات میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ طائف سے واپسی کے بعد بھی آپ ﷺ مکہ ہی میں دعوت کا کام کرتے رہے۔ پھر اللہ کی طرف سے مدد آئی اور سن 11 نبوی میں مدینہ سے آنے والے چھ افراد ایمان لے آئے۔ اگلے سال اُن کی تعداد بارہ ہو گئی۔ اب اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں قرآن سکھانے کے لیے کوئی ساتھی فراہم کر دیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ اعزاز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی محنت بارآور ہوئی اور اگلے سال مدینہ سے 72 مردوں اور 3 خواتین نے مکہ آکر اسلام قبول کیا۔

مدینہ ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنی دعوتی مساعی کو زیادہ توسیع نہیں دی۔ البتہ اگر کسی قبیلے کی طرف سے درخواست آتی تو آپ ﷺ تبلیغ کے لیے ساتھی بھیج دیتے۔ صلح حدیبیہ تک آپ ﷺ نے جزیرۂ نمائے عرب کی حدود سے باہر کسی دعوتی سرگرمی کا آغاز نہیں فرمایا۔ صلح حدیبیہ کے ذریعہ جب آپ ﷺ نے اسلام کو عرب کی ایک قوت تسلیم کرا لیا اور فتح مبین حاصل کر لی تو اب آپ ﷺ نے جزیرۂ نمائے عرب کے اندر بھی دعوتی سرگرمیوں کو وسعت دی اور بیرونِ ملکِ عرب بھی کئی بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے۔ اِن بادشاہوں میں قیصرِ روم، ایران کا بادشاہ کسریٰ، مصر کا بادشاہ مقوقس، حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ، بصریٰ کا والی شرحبیل بن عمرو اور یمامہ و بحرین کے امراء شامل تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے بادشاہوں کو جو خطوط لکھے، اِس حوالے سے ایک افسوسناک واقعہ بصریٰ میں پیش آیا۔ یہاں پر قبیلہ غسان کا رئیس شرحبیل بن عمرو حاکم تھا جسے قیصر روم ہرقل نے اِس منصب پر فائز کیا تھا۔ اِس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنے نامۂ مبارک کے ساتھ بھیجا۔ شرحبیل نے بڑی سخت اذیت دے کر حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا[۱]۔ سفیر کا قتل کیا جانا در حقیقت اعلانِ جنگ شمار ہوتا ہے۔ اِن صحابی کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے جمادی الاولیٰ سن 8 ہجری میں تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں روانہ فرمایا۔ شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کی نفری کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلا۔ قیصر روم نے مزید ایک لاکھ افراد شرحبیل کی مدد کے لیے بھیجے۔ موتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں کا دو لاکھ کفار کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ دونوں لشکروں کی نفری میں تعداد کا فرق بہت زیادہ تھا لیکن پھر بھی مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے۔ اِس معرکہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے اور باقی واپس مدینہ آگئے۔ تاریخِ اسلام میں یہ معرکہ جنگِ موتہ کے نام سے مشہور ہے[۲]۔

جنگِ موتہ سے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بدلہ کا مقصد تو حاصل نہ ہوا لیکن اِس سے مسلمانوں کا ایک رعب پورے علاقے پر قائم ہو گیا۔ اطراف کے قبائل حیران تھے کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ اتنی چھوٹی سی نفری اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر سے ٹکرا گئی اور اتنا بڑا لشکر اُسے قابو نہ کر سکا۔ اِس معرکہ نے رومی سلطنت کی چولیں ہلا دیں۔ ہرقل نے خطرہ محسوس کیا کہ اب عرب قبائل میں رومی تسلط سے آزادی اور مسلمانوں کی ہم نوائی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اُس نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک ناقابلِ شکست خطرہ بننے سے پہلے پہلے کچل دینا ضروری ہے۔ اُس نے رومیوں اور ماتحت عرب قبائل پر مشتمل ایک فوج کی تیاری شروع کر دی تاکہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن اقدام کیا جا سکے۔

نبی اکرم ﷺ کو ہرقل کی اِن جنگی تیاریوں کی اطلاع مل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اِس صورتِ حال کا وقتِ نظر سے جائزہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ سمجھ رہے تھے کہ اگر رُومیوں کو اِس وقت اُن کے

---

(۱) مغازی الواقدی، کتاب غَزْوَةُ مُؤْتَةَ

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ذِکْرُ غَزْوَةِ مُؤْتَةَ شَجَاعَةُ ابْنِ رَوَاحَةَ مَخَافَةَ النَّارِ وَشِعْرُهُ لِلرَّسُولِ

عزائم سے باز نہ رکھا گیا تو وہ مسلمانوں کے زیرِ اثر علاقوں میں داخل ہو کر مدینہ تک پیش قدمی کریں گے۔ مسلمانوں کی فتوحات سے جو جاہلیت دم توڑ رہی ہے وہ دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ منافقین جو مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں پیچھے سے عین اُس وقت مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیں گے جب آگے سے رومیوں کا ریلا خونخوار حملے کر رہا ہو گا۔ اِس طرح وہ ساری کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی جو آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کی نشرو اشاعت میں صرف کی تھیں اور بہت ساری کامیابیاں ناکامی میں تبدیل ہو جائیں گی جو طویل اور خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل کی گئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اِن نتائج کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ لٰہذا باوجود اسباب کی قلت کے آپ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر اقدام (pre-ampt) کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے طے کیا کہ رومیوں کو دارالاسلام کی طرف پیش قدمی کی مہلت دیے بغیر خود اُن کے علاقے اور حدود میں داخل ہو کر اُن کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل تبوک کے مقام پر اپنی افواج کو منظم کر رہا ہے لٰہذا آپ ﷺ نے تبوک کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

سفرِ تبوک کے موقع پر مشکلات

غزوۂ تبوک نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری اور مشکل ترین معرکہ تھا۔ جس قسم کا شدید امتحان مسلمانوں کا غزوۂ احزاب میں لیا گیا تھا بالکل اُسی نوعیت کا اور بعض اعتبارات سے اُس سے بھی شدید آزمائش کا مرحلہ اِس موقع پر بھی درپیش تھا۔ سفر تبوک کے حوالے سے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل مشکلات کا سامنا تھا:

1. اُس وقت دنیا میں دو بادشاہتوں کو بڑی طاقتیں تسلیم کیا جاتا تھا یعنی سلطنتِ ایران اور سلطنتِ روما۔ گویا غزوۂ تبوک میں وقت کی ایک بڑی طاقت سلطنتِ روما کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ تھا۔
2. موسم گرمیوں کا تھا اور گرمی بھی پوری شدت پر تھی۔
3. سفر انتہائی طویل تھا۔ تبوک کا فاصلہ مدینہ سے تقریباً سات سو کلومیٹر ہے۔
4. خوراک کی کمی کا یہ عالم تھا کہ دو ساتھیوں کو روزانہ ایک کھجور پر گزارا کرنا پڑتا تھا۔
5. سواریوں کی کمی تھی اور اٹھارہ ساتھیوں کو باری باری ایک اونٹ پر سفر کرنا پڑتا تھا۔

6. مدینہ میں کھجور کی فصل تیار ہونے کے قریب تھی۔ اگر فصل کو بروقت اتارا نہ جائے تو وہ درخت کے اوپر ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ اب جبکہ مرد سفر پر جا رہے تھے تو خواتین کے لیے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ کھجور کی فصل اتار سکیں۔ اِس فصل کے ضائع ہونے کی صورت میں آئندہ کے لیے بھی خوراک کی قلت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

مذکورہ بالا مشکلات کی وجہ سے غزوۂ تبوک کو "جیش العسرۃ" کہا جاتا ہے[1]۔ دورِ نبوی ﷺ میں یہ واحد موقع تھا کہ اِس میں نفیرِ عام کا حکم دیا گیا۔ ہر مسلمان سے کہا گیا کہ وہ نکلے۔ اگر کوئی عذر لاحق ہے تو رخصت کی اجازت حاصل کرے۔ مزید یہ کہ ہر مسلمان سے کہا گیا کہ وہ اِس موقع پر جو بھی مال راہِ خدا میں دے سکتا ہے پیش کرے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے پکار

سورۂ توبہ میں چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کے حوالے سے مضامین کا آغاز ہوتا ہے۔ اِس رکوع کی ابتدائی چار آیات (38 تا 41) میں بڑے جھنجھوڑنے کے اسلوب میں اللہ کی راہ میں نکلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

(التوبة 9 : 38)

"اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا گیا کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم گرتے جاتے ہو زمین کی طرف۔ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو جان لو کہ دنیا کی زندگی کا یہ ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے"۔

اِس آیت میں اُن لوگوں کو جھنجھوڑا گیا ہے جو سفر تبوک کی مشکلات کو دیکھ کر اللہ کی راہ میں نکلنے سے گھبرا رہے تھے۔ اُنہیں دعوتِ فکر دی گئی کہ سوچو کیا تم نے آخرت کی دائمی اور بہتر نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی عارضی اور کم تر لذتوں کو ترجیح دے دی ہے؟ تمہاری کم ہمتی اور بزدلی کی وجہ یہ ہے کہ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا "تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو"۔ دنیا کی یہ چند روزہ زندگی اور اِس کی

(1) صحیح البخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک وھی غزوۃ العسرۃ

لذتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ہم میں سے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ میرا اصل مقصود دنیا ہے یا آخرت؟اِس کے بعد فرمایا:

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۙ۬ وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَ لَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡئًا ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۹﴾ (التوبة[9] : 39)

"اگر تم نہیں نکلو گے (اللہ کی راہ میں) تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اِس آیت میں کان کھول دینے کے انداز میں سنایا گیا کہ اللہ کی راہ میں مال و جان لگانا اِس امت کا ابدی مشن ہے۔اگر تم اِس مشن کا ساتھ نہ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹائے گا کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ سورة محمد ﷺ[47] کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ "اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے، تو تمہیں ہٹا کر اللہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے"۔ اللہ اِس محرومی سے محفوظ فرمائے (آمین!)۔اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

اِلَّا تَنۡصُرُوۡہُ فَقَدۡ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذۡ اَخۡرَجَہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ہُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡہَا وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی ؕ وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہِیَ الۡعُلۡیَا ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۴۰﴾ (التوبة[9] : 40)

"اگر تم اُن (نبی ﷺ) کی مدد نہیں کرو گے پس اللہ نے تو اُن کی مدد کی تھی جب نکال دیا تھا اُنہیں کافروں نے (مکہ سے)، وہ دو میں کے دوسرے تھے، جب وہ دونوں تھے غار میں، جبکہ وہ اپنے ساتھی (ابو بکر رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اتاری اُن ﷺ پر اپنی طرف سے تسکین اور مدد فرمائی اُن ﷺ کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے کافروں کی بات کو سب سے نیچے ڈال دیا اور اللہ کا کلمہ تو اونچا ہے ہی اور اللہ زبردست ہے حکمت والا"۔

اِس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ دین کے غلبہ کے مشن کے لیے تمہارا ساتھ دینے کے محتاج نہیں ہیں۔ اللہ نے تو اپنے رسول ﷺ کی اُس وقت بھی دستگیری فرمائی جب کفار نے اُنہیں مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔غارِ ثور میں وہ اپنے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے

ساتھ بالکل تنہا تھے۔ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے عین غار کے دہانے پر پہنچ گئے تھے۔ اگر وہ ذرا سا جھک کے جھانک لیتے تو آپ ﷺ اُن کو نظر آجاتے۔ ایسے میں آپ ﷺ نے اللہ پر اپنے کامل ایمان کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کہ "اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ یہ ہے اللہ پر توکل کی اعلیٰ ترین مثال کہ اسباب انتہائی درجہ میں مخالف ہیں لیکن اللہ کی معیت کے احساس سے اللہ کا بندہ پُر سکون ہے۔ اللہ کی ذات پر توکل کرنے والے اِس بندے کی مدد قدرت نے اِس طرح کی کہ ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالہ تان دیا اور ایک کبوتری نے وہاں آکر انڈے دے دیے (۱)۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی مدد فرمائی فرشتوں کے ذریعہ جنہیں عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ نے کافروں کی سازش ناکام کی اور اللہ کی بات تو ہمیشہ ہی سے اوپر ہے۔ اِس کے بعد فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبة 9 : 41)

"نکلو (اللہ کی راہ میں) چاہے ہلکے ہو اور چاہے بوجھل۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مال کے ساتھ۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھو"۔

ہلکے اور بوجھل کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ خواہ تم خالی ہاتھ ہو یا تمہارے پاس ساز و سامان ہو دونوں صورتوں میں اللہ کی راہ میں نکلو۔ دوسرے مفہوم کا تعلق انسان کی باطنی کیفیت سے ہے۔ طبیعت میں اگر کسی کام کے لیے آمادگی ہو تو انسان اُس کام کو ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر کسی کام کے لیے انشراح نہیں تو انسان خود پر جبر کر کے وہ کام کرتا ہے اور اِسی کو طبیعت کا بوجھل ہونا کہتے ہیں۔ اِس آیت میں حکم ہے کہ خواہ طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو، تم اللہ کی راہ میں نکلو۔ یہ وہی اسلوب ہے جس کا ذکر ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ (۲)

"عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے کی مشکل اور آسانی میں، دلی آمادگی اور ناگواری میں"۔

---

(۱) السيرة النبوية لابن كثير، بَابُ هِجْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِنَفْسِهِ الْكَرِيمَةِ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ

(۲) صحيح البخاري، كتاب الْأَحْكَامِ، باب كَيْفَ يُبَايِعُ الْإِمَامُ النَّاسَ، صحيح مسلم، كتاب الْإِمَارَةِ، باب وُجُوبِ طَاعَةِ الْأُمَرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ وَتَحْرِيمِهَا فِي الْمَعْصِيَةِ — عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ

آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو۔ اگر تمہیں علمِ حقیقت حاصل ہے تو یہ جہاد کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ قرآن کے نزدیک علمِ حقیقت وہ ہے جو آخرت میں انسان کے لیے مفید ہو اور وہاں اُسے ابدی سعادت سے سرفراز کردے۔ متذکرہ بالا آیات میں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے جھنجھوڑنے کے انداز میں تلقین کی گئی۔ آیات 120 اور 121 میں ایک جذباتی اور ترغیب کے انداز میں اِس کی طرف دعوت دی گئی ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲۰ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۱

"روا نہیں ہے اہلِ مدینہ اور اطراف میں بسنے والے دیہاتیوں کے لیے کہ وہ پیچھے رہ جائیں اللہ کے رسول ﷺ سے اور یہ کہ محبوب رکھیں اپنی جان کو اُن کی جان سے۔ اِس لیے کہ اُنہیں نہیں پہنچتی اللہ کی راہ میں کوئی پیاس اور نہ محنت، اور نہ بھوک اور وہ نہیں قدم رکھتے کسی میدان میں جس سے دل جلیں کافروں کے اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی شے مگر یہ سب لکھا جاتا ہے اُن کے لیے عملِ صالح کے طور پر۔ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی وادی مگر یہ سب لکھا جاتا ہے اُن کے حق میں تاکہ بدلہ دے اللہ اُن کو بہتر اُس کام کا جو وہ کرتے ہیں"۔

منافقین پر اللہ کا غیظ و غضب

سفرِ تبوک کے انتہائی مشکل موقع پر نفیرِ عام کے حکم اور مال و اسباب کے لیے عطیہ کی اپیل نے آزمائش کی ایسی صورت پیدا کردی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ صاحبِ ایمان علیحدہ ہوگئے اور جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ واضح طور پر نمایاں ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ التوبۃ[9] میں منافقین کے حوالے سے سخت ترین آیات وارد ہوئی ہیں۔ منافقین میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے جھوٹے بہانے بنا کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر سفر سے پہلے ہی رخصت حاصل کرلی۔ کچھ نے اِس ناپاک

امید پر رخصت نہ لی کہ اب مسلمان واپس نہ آسکیں گے کیونکہ وقت کی ایک عظیم طاقت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ البتہ جب اللہ نے مسلمانوں کو سرخرو کر کے واپس کر دیا تو پھر آکر معذرتیں کرنے لگے۔ سورۃ التوبۃ[9] کی آیات 42 تا 93 کے اکثر حصہ میں منافقین کے پہلے گروہ کی مذمت ہے اور آیات 94 تا 96 میں دوسرے گروہ کی۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (التوبۃ[9] : 42)

"اے نبی ﷺ اگر مال غنیمت قریب ہی ہوتا اور سفر بھی چھوٹا ہوتا، تو وہ ضرور آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیتے لیکن طویل نظر آتی ہے اُن کو مسافت اور اب وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ۔ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں"۔

اِس آیت میں منافقانہ کردار کی تمام برائیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ مال و اسبابِ دنیوی سے محبت، دین کے لیے محنت سے جی چرانا، اپنی بزدلی اور کم ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لیے جھوٹے بہانے تراشنا اور اِن بہانوں میں وزن پیدا کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا، منافقانہ کردار کی نمایاں علامات ہیں۔ بظاہر منافقین اپنے آپ کو مشقت سے بچا رہے ہیں لیکن در حقیقت اللہ کی راہ میں نکلنے کی سعادت سے محروم ہو کر ہمیشہ ہمیش کی ہلاکت کا سودا کر رہے ہیں۔ اگلی آیت میں بظاہر خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن اِس میں بھی منافقین کے جھوٹ کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (التوبۃ[9] : 43)

"اللہ آپ ﷺ سے درگزر فرمائے، آپ ﷺ نے کیوں رخصت دی اِن (منافقین) کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ ﷺ پر سچ کہنے والے اور آپ ﷺ جان لیتے جھوٹوں کو"۔

نبی اکرم ﷺ شرافت و مروّت کا پیکر تھے۔ آپ ﷺ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک شخص جھوٹا عذر پیش کر رہا ہے اُسے شرمندہ نہیں کرتے تھے۔ منافقین جھوٹے بہانے کرتے اور آپ ﷺ اُن کا عذر قبول فرما لیتے۔ وہ بدبخت باہر جا کر مذاق اڑاتے کہ هُوَ اُذُنٌ "محمد ﷺ تو نرے کان ہیں

(التوبۃ 9: 61)۔ ہم جو بہانہ کریں، وہ ہمارے جھوٹ کو سمجھتے ہی نہیں بلکہ اُس پر یقین کر لیتے ہیں۔ گویا وہ آپ ﷺ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اللہ نے اِس آیت میں آپ ﷺ کو متوجہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے کیوں اُنہیں اجازت دی؟ اگر آپ ﷺ اُنہیں اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ تمہارا عذر ایک ایسے موقع کے لیے کافی نہیں ہے جبکہ اسلام کو ایک بڑی آزمائش اور سخت معرکہ کا سامنا ہے۔ آپ ﷺ کے اجازت نہ دینے کے باوجود اُنہوں نے جانا نہیں تھا اور اِس طرح اُن کے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا۔ اِس کے بعد آیات 44 اور 45 میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

"نہیں رخصت مانگتے آپ ﷺ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر اِس سے کہ وہ جہاد کریں اپنے مال اور جان سے (اللہ کی راہ میں) اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو۔ رخصت وہی مانگتے ہیں آپ ﷺ سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں اُن کے دل سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں"۔

سورۃ الحجرات[49] کی آیت 15 میں یہ بات ہم پڑھ چکے ہیں کہ:

"مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر پھر کسی شک میں نہ پڑے اور اُنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے اور یہ ہی لوگ سچے ہیں"۔

گویا جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ کسی کے اندر ایمانِ حقیقی موجود ہو اور وہ آکر آپ ﷺ سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے حوالے سے رخصت طلب کرے۔ رخصت وہی لوگ چاہتے ہیں جو حقیقت میں ایمان نہیں رکھتے۔ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اُن کے دل نورِ ایمان سے محروم ہیں۔ اگلی آیت میں واضح کیا گیا:

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ (التوبۃ 9: 46)

"اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اُس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے اُن کا اُٹھنا سو روک دیا اُن کو اور (اُن سے) کہہ دیا گیا بیٹھ رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ"۔

جس شخص کا ارادہ نیک کام کا ہو وہ اُس کے لیے اپنی سی کوشش کرتا ہے۔ پھر اللہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور اُسے نیک کام کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔ گویا نیکی کے لیے انسان کی کوشش اور اللہ کی توفیق دونوں ضروری ہیں۔ منافقین نے اللہ کی راہ میں نکلنے کی تیاری ہی نہیں کی اور اللہ نے بھی اُنہیں اِس کارِ خیر کی توفیق سے نہ صرف محروم رکھا بلکہ گھر بیٹھ رہنا اُن کے لیے مقدر کر دیا۔ اِس محرومی کی وجہ آیات 47 اور 48 میں بیان کی جارہی ہے:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

"اگر وہ تم میں (شامل ہو کر) نکلتے تو تمہارے لیے اضافہ نہ کرتے مگر خرابی کا اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان فساد ڈالنے کے لیے اور تم میں اُن کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ یہ پہلے بھی (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کے لیے معاملات تلپٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے"۔

منافقین کی یہ عادت تھی کہ اگر کبھی سچے مومنوں کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک بھی ہو جاتے تو جاہلیت کی عصبیتوں کو بیان کر کے اور باہم غلط فہمیاں پیدا کر کے جھگڑا و فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر جس طرح عبد اللہ بن ابی نے انصارِ مدینہ کو مہاجرین کے خلاف اُکسایا تھا۔ فتح مکہ تک منافقین نے اسلامی تحریک کو ناکام کرنے کی پوری کوشش کی لیکن جب مکہ فتح ہوا اور دین غالب ہو گیا تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلمانوں کو اِن آیات میں تسلی دی گئی کہ اگر منافقین اِس سفر تبوک میں بھی ساتھ ہوتے تو اپنی روش سے باز نہ آتے۔ اچھا ہوا اللہ نے اُن کی شرارتوں سے محفوظ کر دیا۔ البتہ آگاہ کیا گیا کہ تمہاری صفوں میں کچھ ایسے کمزور ایمان والے ہیں جو اُن منافقین کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے ہیں یا اُن کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اور تمہاری خبریں اُن تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خبردار کر دیا گیا کہ اللہ اُن کے احوال سے خوب واقف ہے۔ اگلی آیت میں ایک خاص منافق کے عذر کا بیان ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبة[9]: 49)

"اور اِن میں سے وہ بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے رخصت دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ جان لو! فتنے میں تو وہ پڑ گئے اور جہنم اِن کافروں کو گھیرے ہوئے ہے"۔

اِس آیت میں ایک نہایت ہی بدباطن منافق جد ابنِ قیس کا ذکر ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی موجود تھا لیکن بیعتِ رضوان کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ تبوک کے سفر پر جانے سے اِس نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ میں بڑا حسن پرست قسم کا آدمی ہوں۔ رومی عورتیں بڑی حسین ہوتی ہیں۔ میں اُن کو دیکھ کر قابو میں نہ رہ سکوں گا۔ لہٰذا مجھے رخصت دے دی جائے اور فتنہ میں نہ ڈالا جائے[1]۔ اللہ نے اِس آیت کے ذریعہ اُس بدبخت کی ظاہری پرہیز گاری کا پردہ چاک کر دیا اور فرمایا اللہ کی راہ میں نکلنے سے بچنے کے لیے جھوٹے بہانے کر کے وہ فتنہ میں مبتلا تو ہو گئے۔ اب اِن بدنصیبوں کا مقدر جہنم ہے جس نے اِن کو گھیر لیا ہے۔ اگلی تین آیات میں منافقین کی سچے مسلمانوں سے نفرت اور اِس حوالے سے بڑی اہم رہنمائی کا بیان ہے:

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۡ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ (التوبۃ 9: 50-52)

"(اے نبی ﷺ) اگر کوئی خیر پہنچے آپ ﷺ کو تو اُنہیں بُری لگتی ہے اور اگر کوئی سختی آتی ہے آپ ﷺ پر تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ پہلے ہی سیدھا کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں۔ کہہ دیجیے ہمیں ہر گز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ کہہ دیجیے کہ تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کی اور ہم تمہارے حق میں منتظر ہیں کہ بھیجے اللہ تم پر کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں"۔

یہ منافقت کا وہ آخری درجہ (stage) ہے جس میں ایک منافق کو سچے مسلمانوں سے شدید دشمنی ہو جاتی ہے۔ اُن کی کامیابیوں پر جلن ہوتی ہے اور اُن کی بظاہر ناکامی پر خوشی۔ مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ

---

(1) المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، الضحاک، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

کے توسط سے تلقین کی گئی کہ منافقین کو سنا دیں کہ ہم پر جو بھی حالات آتے ہیں، ہم اُن پر راضی ہیں۔ یہ حالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں جو ہمارا مولا اور بہترین خیر خواہ ہے۔ ہمیں ہر صورت میں اللہ کی طرف سے خیر کی امید ہے۔ اگر کوئی مشکل آئی تو ہم صبر کریں گے اور کوئی کامیابی نصیب ہوئی تو شکر کریں گے اور دونوں صورتوں میں ہمیں اللہ سے اجر کی امید ہے۔ اگر ہم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو ہمارا تو مطلوب ہی یہ ہے اور اگر ہم کامیاب ہو کر لوٹ آئے تو تم بھی کہو گے کہ کامیاب ہو گئے۔ ہمارے لیے تو دونوں انجام حسین ہیں۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اِس کے بعد منافقین سے کہا گیا کہ تمہارے بارے میں بھی دو صورتوں کا امکان ہے۔ تمہاری شرارتوں کی وجہ سے اللہ تمہیں اپنے ہاتھوں عذاب دے گا یا تمہارے خلاف ہمیں اقدام کی اجازت دے دے گا۔ پس تم انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

منافقین نہ صرف تبوک جانے سے خود محروم رہے بلکہ اُنہوں نے دوسروں کو بھی باز رکھنے کی کوشش کی۔ اُن کی اِس روش کا ذکر آیات 81 اور 82 میں بڑے لرزا دینے والے انداز میں بیان کیا گیا ہے:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

"خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر اللہ کے رسول ﷺ سے اور اِس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (دوسروں سے) کہنے لگے کہ مت نکلو گرمی میں۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے دوزخ کی آگ اِس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے! سو وہ ہنس لیں تھوڑا اور روئیں بہت سا۔ بدلہ ملے گا اُس کا جو وہ کما رہے ہیں"۔

منافقین اِس دنیا کی گرمی سے گھبرا کر اللہ کی راہ میں نہیں نکلے لیکن اِس جرم کی سزا کے طور پر اُنہیں ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کی آگ میں جلنا ہو گا جس کی تپش دنیا کی آگ سے اُنہتر (69) درجہ زیاد

ہو گی [1]۔

منافقین کا دوسرا گروہ وہ تھا جس نے تبوک سے واپسی کے بعد نبی اکرم ﷺ سے جھوٹے بہانے کر کے معذرت کی۔ اِن منافقین کا ذکر آیات 94 تا 96 میں آیا ہے:

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

"بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے اُن کی طرف۔ (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات۔ بتا چکا ہے اللہ ہمیں تمہارے سب حالات اور ابھی دیکھیں گے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ تمہارا عمل پھر تم لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کے پاس سو وہ بتائے گا تمہیں جو تم کر رہے تھے۔ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹ کر جاؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم اُن سے درگزر کرو، سو درگزر کرو اُن سے۔ بے شک وہ ناپاک لوگ ہیں اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے، بدلا ہے اُس کمائی کا جو وہ کرتے رہے۔ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم راضی ہو گئے اُن سے تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے"۔

تبوک کے سفر میں ساتھ نہ دینے کی وجہ سے اللہ نے منافقین کے بارے میں چار سخت احکامات صادر فرمائے:

1. منافقین کے عطیات قبول کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ آیت 53 میں ارشاد ہوا:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

"(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ تم (مال) خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم نافرمان لوگ ہو"۔

---

(1) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ

منافقین پر اللہ کی راہ میں مال اور جان دونوں لگانا بہت بھاری تھے۔ البتہ جان زیادہ عزیز تھی۔ جب اُن کی جان پر بن آتی ہے تو مال پیش کر دیتے کہ کسی طریقہ سے جان بچ جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے صدقات قبول کر لیے جائیں تاکہ کسی درجہ میں تو ہم اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں شامل رکھ سکیں۔ اِس آیت کے ذریعہ منافقین کی جھوٹی تسلی کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا گیا۔

2. نبی اکرم ﷺ کو منافقین کے لیے استغفار کی دعا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ (التوبة[9]: 80)

"(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ اُن کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپ ﷺ اُن کے لیے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ اُن کو نہیں بخشے گا"۔

روزِ قیامت گناہ گاروں کی بخشش کی ایک امید نبی اکرم ﷺ کی دعائے شفاعت ہے۔ یہ کس قدر محرومی ہے کہ منافقین کے حق میں آپ ﷺ کی دعائے شفاعت قبول نہ کی جائے گی۔

3. منافقین کو آئندہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت سے محروم کر دیا گیا۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝ (التوبة[9]: 83)

"پھر اگر اللہ آپ ﷺ کو اُن میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ آپ ﷺ سے (جہاد کے لیے) نکلنے کی اجازت چاہیں تو کہہ دیجیے گا کہ تم ہرگز نہیں نکلو گے میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر دشمن سے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو"۔

غزوۂ تبوک نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری غزوہ تھا، لہٰذا منافقین اِس وجہ سے بھی ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی سعادت سے محروم ہو گئے۔

4. نبی اکرم ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے اور اُن کی قبر پر کھڑے ہو کر اُن کے حق میں دعا سے منع کر دیا گیا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿التوبة: 84﴾

"اور (اے نبی ﷺ!) نماز نہ پڑھیں (جنازے کی) اُن میں سے کسی کی جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اُس کی قبر پر۔ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)"۔

مومنین کے لیے اللہ کی طرف سے تحسین

غزوۂ تبوک میں شرکت کے حوالے سے سچے مسلمانوں کے پانچ گروہ تھے جن کا سورۃ التوبة میں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا:

أ. پہلا گروہ اُن مومنین صادقین کا تھا جنہوں نے اِس موقع پر مال جان سے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔ اللہ نے آیات 88 اور 89 میں اُن کی مدح اِس طرح فرمائی:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾

"لیکن رسول ﷺ اور جو لوگ ایمان لائے اُن کے ساتھ، اُنہوں نے جہاد کیا اپنے مال اور جان سے، اُنہی کے لیے ہیں بھلائیاں اور وہی ہیں مُراد کو پہنچنے والے۔ تیار کر رکھے ہیں اللہ نے اُن کیلیے باغات، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں گے اُن میں۔ یہی ہے شاندار کامیابی"۔

یہ تبوک ہی کا موقع تھا جب مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی بے نظیر مثالیں پیش کیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اِس امید کے ساتھ کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ نیک خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال پیش کر چکے تھے اور گھر پر صرف اللہ اور اُس

کے رسول ﷺ کا نام چھوڑ آئے تھے[1]:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے تبوک کے موقع پر اتنا مال و اسباب پیش کیا کہ اللہ نے سورۃ البقرۃ[2] کی آیت 261 اِسی موقع پر نازل فرمائی[2]:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱

"اُن لوگوں کے خرچ کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی سی ہے جو اُگائے سات بالیاں، ہر بالی میں ہوں سو دانے اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اللہ نے آیت 117 میں بھی اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحسین فرمائی جنہوں نے سفر تبوک کی مشکل گھڑیوں میں نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دیا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۷

"بے شک اللہ مہربان ہوا نبی ﷺ اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی ﷺ کے مشکل کی گھڑی میں بعد اِس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں اُن میں سے ایک گروہ کے پھر مہربان ہوا اللہ اُن پر۔ بے شک وہ اُن پر نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے"۔

(۱) سنن أبی داود، کتاب الزکاۃ، باب فی الرخصۃ فی ذلک، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

(۲) تفسیر القرطبی، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۶۱

تبوک کا سفر انتہائی پُر صعوبت تھا۔ گرمی کی شدت، سفر کی طوالت، سواریوں کی کمی اور خوراک کی ایسی قلت کہ کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں ورم آگیا تھا۔ مجبوراً اونٹوں کو قلت کے باوجود نحر کرنا پڑتا تاکہ نہ صرف اُن کا گوشت کھایا جاسکے بلکہ پانی کی کمی کی وجہ سے اُن کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جاسکے۔

ii. دوسرا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو معذور تھے یا کسی حقیقی عذر کی وجہ سے اللہ کی راہ میں نکلنے سے قاصر تھے۔ آیت 91 میں اِن کا ذکر اِس طرح ہوا:

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ؕ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۙ﴿۹۱﴾

"کوئی حرج نہیں ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جن کے پاس نہیں ہے کچھ خرچ کرنے کو جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے وفادار ہوں اور نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اِن کے متعلق نبی ﷺ نے بھی مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا:

"مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جو وادی بھی طے کی وہ تمہارے ساتھ رہے، اُنہیں عذر نے روک رکھا تھا"۔ لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی (ہمارے ساتھ تھے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "(ہاں) مدینہ میں رہتے ہوئے بھی"۔ [1]

iii. تیسرا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو اللہ کی راہ میں نکلنا چاہتے تھے لیکن اُن کے پاس اِس کے لیے اسباب نہ تھے۔ اللہ نے آیت 92 میں اُن کی بھی مدح فرمائی:

وَّ لَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّ اَعۡيُنُهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۹۲﴾

(1) مسند أحمد، كتاب باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك رضی اللہ عنہ

"اور نہ اُن لوگوں پر الزام ہے کہ جو (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ کے پاس آتے کہ آپ ﷺ اُن کو سواری دے دیں اور آپ ﷺ فرماتے کہ میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اِس حالت میں واپس ہوتے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اِس غم میں کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں"۔

iv. چوتھا گروہ اُن مومنوں کا تھا جو بغیر کسی حقیقی عذر کے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے۔ جب اُنہیں اللہ کے رسول ﷺ کی واپسی کا علم ہوا تو اِس قابل نہ تھے کہ شرمندگی کے مارے اللہ کے رسول ﷺ کا سامنا کر سکیں، لہٰذا اُنہوں نے خود کو ستونوں سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ کے رسول ﷺ اُنہیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے وہ اِسی طرح سے بندھے رہیں گے۔ اِس گروہ کے حق میں آیات 102 تا 105 نازل ہوئیں:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

"اور کچھ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔ ملایا اُنہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بُرا۔ قریب ہے کہ اللہ مہربان ہو اُن پر۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اُن کے مال میں سے (اے نبی ﷺ) صدقات قبول کیجیے۔ (اِس طرح) اُنہیں پاک کیجیے (گناہوں سے) اور صاف کیجیے (اُن کا دل دنیا کی محبت سے)۔ نیز اُن کے لیے دُعائے خیر کیجیے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی دُعا اُن کے لیے باعثِ تسکین ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور لیتا ہے صدقات اور بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور اُن سے کہہ

دیجیے (اے نبی ﷺ) کہ عمل کیے جاؤ، پھر اللہ دیکھے گا تمہارا عمل اور اُس کے رسول ﷺ اور مومن اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کے پاس سو وہ بتائے گا تمہیں جو تم کر رہے تھے"۔

۷. پانچویں گروہ میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اِن کے نام ہیں حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن اُمیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات بھی بغیر کسی حقیقی عذر کے غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ جب نبی اکرم ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے تو اِنہوں نے جا کر اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کی کہ ہم جھوٹا بہانہ کر کے دنیا کی سزا سے تو بچ سکتے ہیں لیکن آخرت کے عذاب سے نہیں۔ اُنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے خود کو سزا کے لیے پیش کر دیا۔ اُن کے بارے میں پہلے آیت 106 نازل ہوئی:

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

"اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کے حکم کے انتظار میں ہیں، چاہے وہ اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔

اِس آیت کے نزول کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ مذکورہ تینوں ساتھیوں سے قطع تعلق کر لیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی سختی سے اِس حکم پر عمل کیا۔ رومیوں نے اِس موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور اعزاز و اکرام کا وعدہ کیا لیکن اُنہوں نے اِس پیشکش کو رد کر دیا۔ چالیس روز بعد اِن حضرات کو حکم ہوا کہ بیویوں کو بھی اُن کے والدین کے گھر بھیج دیں۔ اِن حضرات نے اِس حکم پر بھی فوراً عمل کیا۔ پچاس روز کے بعد اللہ کی طرف سے آیت 118 میں اِن حضرات کی بھی معافی کا فیصلہ وارد ہو گیا:

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

"اور اُن تینوں پر بھی (مہربان ہوا اللہ) جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادگی کے اُن پر تنگ ہوگئی اور اُن کی جانیں بھی اُن پر تنگ ہو گئیں اور اُنہوں نے جان لیا کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اُسی کی طرف، پھر مہربان ہوا اللہ اُن پر تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

اِن حضرات کے اِس واقعہ کی بڑی ایمان افروز اور سبق آموز تفصیل بخاری اور مسلم کی اُس طویل حدیث میں موجود ہے جسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے [1]۔

تبوک کا سفر اور واپسی

غزوۂ تبوک میں کوئی جنگ ہوئی ہی نہیں۔ مسلمان جب تبوک پہنچے تو رومی پیچھے ہٹ گئے اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی۔ گویا معاملہ یہ تھا کہ بس ایک امتحان لینا مقصود تھا۔ ایک شدید آزمائش کی چھلنی سے گزار کر واضح کر دیا گیا کہ کون سچے مومن ہیں اور کون پکے منافق۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رجب سن 9 ہجری میں تیس ہزار ساتھیوں کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ پندرہ روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہے جانے کا اور پندرہ روز آنے کا۔ بیس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ہرقل علاقے میں موجود تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع پا کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہرقل تورات اور انجیل کا عالم تھا۔ اُس پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر اُس کے پاس گئے تھے تو اُس نے کئی سوالات پوچھنے کے بعد تصدیق کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت یہاں تک پہنچے گی جہاں میرے قدم رکھے ہوئے ہیں [2]۔ وہ چاہتا تھا کہ پوری رومی سلطنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔ ہرقل کے اِس ارادے کی درباریوں اور مذہبی رہنماؤں نے شدید مخالفت کی۔ بادشاہت ہرقل کے پاؤں کی بیڑی بن گئی اور وہ چند روزہ دنیوی

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المَغَازِي، بَاب حَدِيثُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، صحیح مسلم، کتاب التَّوْبَةِ، بَاب حَدِيثِ تَوْبَةِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَصَاحِبَيْهِ رضی اللہ عنہم

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَاب دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ إِلَى الإِسْلاَمِ وَالنُّبُوَّةِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما

اقتدار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور ہمیشہ ہمیش کی سعادتیں حاصل کرنے سے محروم رہا۔ ہرقل کو یہ گمان نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود مقابلہ کے لیے تبوک تشریف لائیں گے۔ جب اُسے آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ملی تو چونکہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے نبی سے مقابلہ کا کیا نتیجہ نکلے گا، لہٰذا اُس نے پسپائی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

نبی اکرم ﷺ نے ہرقل سے مقابلہ کے لیے تبوک سے آگے پیش قدمی نہیں فرمائی۔ تبوک میں قیام کے دوران آپ ﷺ نے قربِ جوار میں آباد قبائل سے معاہدات کیے اور اُن قبائل نے اسلامی حکومت کی تابعداری اور خراج دینا منظور کر لیا۔ اِس پورے علاقے پر مسلمانوں کا جو دبدبہ جنگِ موتہ سے قائم ہوا تھا، وہ اور مستحکم ہو گیا۔ اِس کے بعد آپ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے۔

ایک اہم اخلاقی ہدایت

سفرِ تبوک میں کہیں راستے میں پڑاؤ کے وقت یا تبوک میں قیام کے موقع پر کبھی دورانِ گفتگو یہ تذکرہ ہوتا کہ فلاں ہمارے ساتھی تھے۔ وہ تو ہمارے گمان کے مطابق سچے مومن تھے۔ کیا ہوا؟ وہ کیوں نہیں آئے؟ یعنی اُن کے بارے میں شکوک و شبہات اب ذہنوں میں پروان چڑھنے لگے کہ شاید وہ بھی منافقین میں سے تھے کہ جو ساتھ نہیں آئے۔ ایسی باتوں پر آپ ﷺ جواب دیتے:

دَعُوْهُ فَاِنْ يَّكُ فِيْهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ بِكُمْ وَاِنْ يَّكُ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَدْ اَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ[1]

"چھوڑو اُس کے تذکرہ کو۔ اگر اُس میں کوئی خیر ہے تو اللہ اُسے تمہارے ساتھ ملا دے گا اور اگر اُس میں خیر نہیں ہے تو (شکر ہے) اللہ نے تمہیں اُس سے عافیت بخشی"۔

آپ ﷺ کا یہ اِرشاد بہت ہی سبق آموز ہے۔ دینی تحریکوں میں اِس طرح کی صورتِ حال پیش آتی رہتی ہے۔ اِس قولِ مبارک میں ایک ابدی رہنمائی ہے۔ اگر کسی بھائی میں خیر ہو گا تو وہ بلاشرعی عذر، کسی لازمی اجتماع سے غیر حاضری کی صورت میں غلطی کا اعتراف کرے گا اور اللہ سے بھی استغفار کر

(1) المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب المغازی والسرایا، باب دعوه، إن یک فیه خیر فسیلحقه الله بکم، عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ

لے گا۔ اگر اُس شخص میں کوئی شر ہے تو ساتھ آکر ضرور کوئی فتنہ اُٹھاتا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس شخص کی ایذا رسانی سے نجات مل گئی۔

غزوۂ تبوک کے اثرات

یہ غزوۂ جزیرۃ العرب اور قرب و جوار میں مسلمانوں کا اثر قائم کرنے اور اُسے تقویت پہنچانے میں بڑا کارگر ثابت ہوا۔ لوگوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا اور کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ اِس طرح جاہلیت کے علم برداروں اور منافقین کی وہ باقی ماندہ آرزوئیں اور اُمیدیں بھی ختم ہوگئیں جو مسلمانوں کے خلاف گردشِ زمانہ کے انتظار میں اُن کے دل میں پنہاں تھیں۔ اُن کی ساری اُمیدوں اور آرزوؤں کا محور رُومی طاقت تھی اور اِس غزوے میں اُس کا بھی بھرم کھل گیا تھا۔ اب اِن اسلام دشمن عناصر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ اِسلام کو ایک غالب اور ناقابلِ شکست قوت کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے مجبور ہوگئے۔

صبر و ثبات کی اعلیٰ ترین مثال - سیرۃ النبی ﷺ

منتخب نصاب کے پانچویں حصہ میں ہم نے سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں راہِ حق میں صبر و ثبات کی اعلیٰ ترین مثال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ نبی اکرم ﷺ صبر و استقامت کا وہ پہاڑ تھے جنہوں نے تن تنہا غلبہ دین حق کی جدوجہد کا آغاز کیا، بدترین تشدد، پرکشش لالچ اور دلفریب سودے بازی کا کوئی اثر لیے بغیر اپنے مشن کو جاری و ساری رکھا۔ انفرادی و اجتماعی آزمائشوں کے طویل سلسلہ سے گزر کر نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں دینِ حق کو غالب کر دیا بلکہ قلتِ اسباب کے باوجود وقت کی ایک بڑی طاقت کے خلاف پیشگی اقدام (pre-ampt) کرکے دینِ حق کی ایک دھاک قرب و جوار میں بٹھادی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ ﷺ کے اُسوہ پر چلتے ہوئے دینِ حق کے لیے جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے اور اِس راہ کی ہر مشکل و آزمائش پر صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!